Ested: 2013

ماہنامہ

قندیلِ اَدب اِنٹرنیشنل لندن

بانی: محترم بشیر احمد رفیق صاحب

مدیر: رانا عبدالرزاق خان www.qindeel-e-adub.com شمارہ: 51 مارچ 2017ء

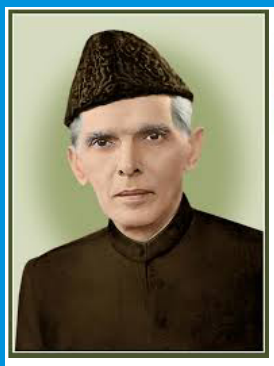

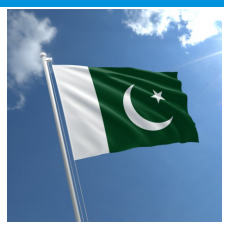

23 مارچ

ایک وعدے کی پہچان کا دن

اور وہ پہچان ہے ایک دھڑکن

جو زندہ رکھتی ہے اس قوم کو

ہم اس دھڑکن کو کہتے ہیں محبت اور یقین

کیوں کہ یہی محبت بناتی ہے ہمیں ایک قوم

اس لئے پاکستان ہے اب

دل جیسا پاکستان

مجلس ادارت

زکریا ورک، امجد مرزا امجد، ایم اے حق بھارت،
خواجہ عبدالمومن ناروے، آصف علی پرویز

بانی رُکن : خان بشیر احمد رفیق مرحوم
مدیر : رانا عبدالرزاق خاں
معاون مدیر : سید حسن خان
مدیر خصوصی : سہیل لون
مینجنگ ڈائریکٹر : عاصی صحرائی
فوٹوگرافی : قاضی عبدالرشید، فضل عمر ڈوگر
آڈیو وڈیو : محمد اشرف خاکی

اراکین مشاورتی بورڈ

آدم چغتائی، منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم،
رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، اے حق یو کے ٹائمز،
ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین،
بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد،
ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی اِن پیج میں ارسال کیا جائے گا۔ بلا تفریق اسے معیار کے مطابق شائع کیا جائے گا۔ جو دوست بھیجتے ہیں اُن کی قدر کی جاتی ہے۔ قندیل ادب اکثر ممالک میں لاکھوں قارئین تک جاتا ہے۔ اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس ادبی فن پارہ کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کر دیا کریں تاکہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔ شکریہ

رانا عبدالرزاق خاں

فہرست

آپ کے خطوط (ادارہ)		2
غزلیات: مخمور بدایونی، مبارک صدیقی، عبدالکریم قدسی، صابر ظفر، آدم چغتائی، سلمان حیدر، عبید اللہ علیم، مسعود چودھری، اشفاق حسین، جمیل الرحمن، منور کنڈے، بشارت احمد بشارت، مقبول زیدی، پروین شاکر، محمد اسحاق اطہر، فرحت عباس شاہ، اطہر حفیظ فراز، ابن ریاض، طاہرہ زرتشت ناروے، چودھری محمد علی مضطر عارفی، عامر حسنی، صادق باجوہ۔		4-9
بانو آپا۔ سفر تمام ہو	محمد ظہیر بدر	9
جسم و جاں تک یہ آگ آ پہنچی	طاہر بھٹی جرمنی	10
یقیں محکم عمل پیہم	رانا عبدالرزاق خان	11
دھیان سے پڑھنا	ادارہ	12
پاکستان کا معمر ترین 80 سالہ خطرناک دہشت گرد	اے آر خان لندن	13
افتخار عارف کی چند غزلیں	ادارہ	14
محمد علی جناح۔ غیر فطری ریاست کے بانی	جاوید ٹورنٹو	15
چند معروضات محترم مضمون نگار کے نام	عبدالحئی بشارت	17
لیبیا کے ظالم ڈکٹیٹر معمر قدافی کے عوام پر ڈھائے مظالم	رجل خوشاب	19
عظیم لوگوں کا احساس گناہ اور اس کا ازالہ	اے آر راجپوت	20
میں پاکستان ہوں	رانا عبدالرزاق خان	22
کیوں انگور حلال اور شراب حرام ہے	رجل خوشاب	26
تتلیاں سنولیک کی	مستنصر حسین تارڑ	30
امجد مرزا امجد	ڈاکٹر منور احمد کنڈے	31
جگاڑ	رجل خوشاب	32
میری شاعری۔ روح کی ترجمانی	شائستہ زریں	33
طویل عمر و صحت کیلئے ورزش آکسیجن	عاصی صحرائی	37
نفیس زکریا کو سلام	اے حق لدن	39
24 سوال و جواب حیات انسانی	ادارہ	40
کچھ باتیں کچھ یادیں	نعیم احمد راٹھور امریکہ	41

——*

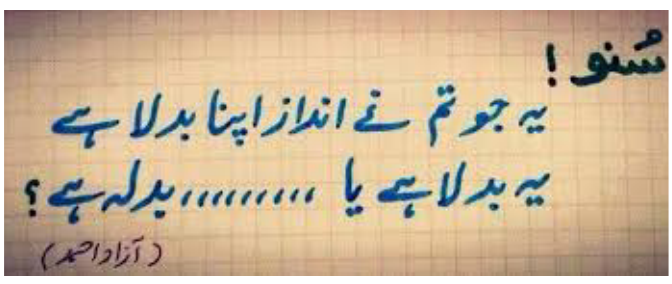

آپ کے خطوط

وسیم حیدر ہاشمی صاحب رقم طراز ہیں۔

محترمی رانا صاحب سلام مسنون!

قندیلِ ادب' کا ہر شمارہ آن لائن موصول ہو رہا ہے۔ بہت بہت شکریہ۔اس جریدے کی بدولت راقم کو دنیا بھر کے علمائے ادب کے کارناموں کی جانکاری گھر بیٹھے بر وقت ہو جاتی ہے۔اس میگزین پر جس قدر محنت کرتے ہیں وہ اس رسالے کے معیار سے عیاں ہے۔ یہ جریدہ نہایت جاذب و جالب ہے۔مشفق خواجہ پر ایک مضمون ارسال ہے۔مناسب وقت پر شامل اشاعت کرلیں۔شکر گزار ہوں گا۔خیر طلب

محترم توصیف بریلوی انڈیا سے لکھتے ہیں۔

آداب! فروری کا ''قندیلِ ادب'' ایک دوست کی وساطت سے ملا۔پی ڈی ایف فائل میں۔کئی لوگوں نے آن لائن اسے پڑھا بھی ہے۔آپ کا بہت شکریہ افسانہ بروقت شائع کرنے کا۔

سلطان نصیر احمد پاکستان سے لکھتے ہیں۔

محترم مدیر صاحب اسلام وعلیکم

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل ماشاءاللہ دلکش،اور خوبصورت رسالہ ہے۔ آپ کی ٹیم کو بھی مبارکباد۔میری دعا ہے کہ اللہ روز بروز ترقی دے آمین۔

خالد شیخ لکھتے ہیں۔ محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب

اسلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بہت ہی خوب میگزین ہے آج کے زمانے کے اردو ریڈرز کے لئے۔ آپ کی ٹیم کو بھی مبارکباد۔میری دعا ہے کہ اللہ روز بروز ترقی دے آمین۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بہترین عمل وہ ہے جس کی پابندی کی جائے، چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

(ترمذی، کتاب الادب، باب ۷۳، حدیث نمبر ۲۸۵۶)

معراجِ محبت مسجد نبوی

بلال افتخار

لوگ تاج محل کو محبت کی علامت قرار دیتے ہیں۔مگر یقین کریں کہ عثمانی دور میں مسجد نبوی کی تعمیر تعمیرات کی دنیا میں محبت اور عقیدت کی معراج ہے،ذرا پڑھئے اور اپنے دلوں کو عشق نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے منور کریں ترکوں نے جب مسجد نبوی کی تعمیر کا ارادہ کیا تو انہوں نے اپنی وسیع وعریض ریاست میں اعلان کیا کہ انہیں عمارت سازی سے متعلق فنون کے ماہرین درکار ہیں،اعلان کرنے کی دیر تھی کہ ہر علم کے مانے ہوئے لوگوں نے اپنی خدمات پیش کیں،سلطان کے حکم سے استنبول کے باہر ایک شہر بسایا گیا جس میں اطراف عالم سے آنے والے ان ماہرین کو الگ الگ محلوں میں بسایا گیا،اس کے بعد عقیدت اور حیرت کا ایسا باب شروع ہوا جس کی نظیر مشکل ہے، خلیفہ وقت جو دنیا کا سب سے بڑا فرمانروا تھا،شہر میں آیا اور ہر شعبے کے ماہر کو تاکید کی کہ اپنے ذہین ترین بچے کو اپنا فن اس طرح سکھائے کہ اسے یکتا و بیمثال کر دے،اس اثنا میں ترک حکومت اس بچے کو حافظ قرآن اور شہسوار بنائے گی،دنیا کی تاریخ کا یہ عجیب وغریب منصوبہ کئی سال جاری رہا،25 سال بعد نوجوانوں کی ایسی جماعت تیار ہوئی جو نہ صرف اپنے شعبے میں یکتائے روزگار تھے بلکہ ہر نوجوان حافظ قرآن اور باعمل مسلمان بھی تھا،یہ لگ بھگ 500 لوگ تھے،اسی دوران ترکوں نے پتھروں کی نئی کانیں دریافت کیں،جنگلوں سے لکڑیاں کٹوائیں،تختے حاصل کئے گئے اور شیشے کا سامان بہم پہنچایا گیا،یہ سارا سامان نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے شہر پہنچایا گیا تو ادب کا یہ عالم تھا کہ اسے رکھنے کے لیے مدینہ سے دور ایک بستی بسائی گئی تاکہ شور سے مدینہ کا ماحول خراب نہ ہو،نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ادب کی وجہ سے اگر کسی پتھر میں ترمیم کی ضرورت پڑتی تو اسے واپس اسی بستی بھیجا جاتا،ماہرین کو حکم تھا کہ ہر شخص کام کے دوران باوضو رہے اور درود شریف اور تلاوت قرآن میں مشغول رہے،حجرہ مبارک کی جالیوں کو کپڑے سے لپیٹ دیا گیا کہ گرد وغبار اندر روضہ پاک میں نہ جائے،ستون لگائے گئے کہ ریاض الجنت اور روضہ پاک پر مٹی نہ گرے،یہ کام پندرہ سال تک چلتا رہا اور تاریخ عالم گواہ ہے ایسی محبت ایسی عقیدت سے کوئی تعمیر نہ کبھی پہلے ہوئی اور نہ کبھی بعد میں ہوگی۔ سبحان اللہ! اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی ازواجہ وآلہ واصحابہ وغلمانہ وبارک وسلم۔

غزلیات

محشر بدایونی

آخر آخر ایک غم ہی آشنا رہ جائے گا
اور وہ غم بھی مجھ کو اک دن دیکھتا رہ جائے گا

سوچتا ہوں اشک حسرت ہی کروں نذر بہار
پھر خیال آتا ہے میرے پاس کیا رہ جائے گا

اب ہوائیں ہی کریں گی روشنی کا فیصلہ
جس دیئے میں جان ہوگی وہ دیا رہ جائے گا

آج اگر گھر میں یہی رنگ شب عشرت رہا
لوگ سو جائیں گے دروازہ کھلا رہ جائے گا

تا حد منزل توازن چاہئے رفتار میں
جو مسافر تیز تر آگے بڑھا رہ جائے گا

گھر کبھی اُجڑا نہیں یہ گھر کا شجرہ ہے گواہ
ہم گئے تو آ کے کوئی دوسرا رہ جائے گا

روشنی محشر رہے گی روشنی اپنی جگہ
میں گزر جاؤں گا میرا نقشِ پا رہ جائے گا

صابر ظفر

بادباں کھول دو، پانی میں میں اُتر جانے دو
سر سے طوفاں گزرنا ہے گزر جانے دو

چھوڑ آئے ہیں کنارے کو ہمیشہ کے لئے
اب تو جاتی ہے جدھر ناؤ اُدھر جانے دو

واپس آئے تو بنا لیں گے ٹھکانہ کوئی
ابھی ان ریت گھروندوں کو بکھر جانے دو

اپنے لوگوں سے پرے اپنے دَر و بام سے دور
جی نہیں چاہتا جانے کو مگر جانے دو

اپنی مرضی سے اگر جینے نہیں دیتے تو پھر
اتنا احساں کرو ہم پہ کہ مر جانے دو

مبارک صدیقی

وہ بھی ہجر فسانے دل میں رکھنے والا نئیں
میں بھی قول قرار سے پیچھے ہٹنے والا نئیں

کون ہیں میرے دشمن سجن، سب کو ہے معلوم
میں پردوں کے پیچھے چھُپ کر ملنے والا نئیں

رنگ سنہرا، جگمگ آنکھیں، سُندر رُوپ سرُوپ
ایسے قاتِل حملے میں، میں بچنے والا نئیں

جانتا ہوں میں کیوں رہتے ہیں مجھ سے لوگ خفا
میں لوگوں کو جھوٹے سپنے بیچنے والا نئیں

اُس کو بھی دربار میں دیکھا جوڑے دونوں ہاتھ
وہ جو اکثر کہتا تھا میں بِکنے والا نئیں

دنیا زخم لگانے میں ہے تُو بھی پختہ کار
میں بھی تجھ سے پتھر کھا کر، گرنے والا نئیں

اُس سے کہنا، جیتنا ہے، تو پیار سے مجھ سے جیت
تُو نے خنجر پکڑا تو میں ہارنے والا نئیں

کاش مجھے وہ چاند کہے آ میرے پاس بھی بیٹھ
ویسے میں جو بیٹھ گیا تو اُٹھنے والا نئیں

عشق نگر کے رستے بھی ہیں پتھریلے پُرخار
میں بھی زخمی پیر کے چھالے گننے والا نئیں

میرے قاتل، منصف کیا، تو پورا شہر خرید
کچھ بھی ہو، میں تیرے حق میں بیٹھنے والا نئیں

اور کسی سے جا کے، جلتے گھر کی قیمت پوچھ
میں بازار میں بیٹھ کے آنسو بیچنے والا نئیں

میں ہوں عشق قبیلے سے، دُکھ درد مری میراث
مر جاؤں گا پیار مرا یہ مرنے والا نئیں

عبدالکریم قدسی

میں نے پردیس کے کشکول میں جو ڈالا تھا
میری آنکھوں کی تجوری میں یہی رکھا تھا

دوستی کر لی مسافت میں اکیلے پن سے
تم میرے ساتھ جو چلتے تو بہت اچھا تھا

کر دیا جبر تعصب نے نظر سے اوجھل
خطہ ارض مجھے جان سے جو پیارا تھا

کوئی چاہت نہ ملی شہر محبت میں مجھے
قربِ دریا میں بسیرا تھا مگر پیاسا تھا

''جس نے بھی ہاتھ ملایا وہ فرشتہ نکلا''
میں گنہگار تھا ہر اک سے بہت ڈرتا تھا

عمر بھر مجھ کو نہ آدابِ سیاست آئے
مکتبِ عشق کے اسباق نہ میں بھولا تھا

اہلِ مسند سے تعلق نہ نباہنے آئے
میری سج دھج میری توقیر مرا حجرا تھا

دل کی رفتار کا انداز عجب تھا قدسیؔ
ہم نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا

دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو

آدم چغتائی برمنگھم

آج کیسا رنگ ظلمت کی فراوانی میں ہے
زندگی کی ہر کرن ڈوبی سی حیرانی میں ہے
گو زمیں کی گود میں ہی کھیتیاں شاداب ہیں
سوچ کس ظالم کی لیکن ان کی ویرانی میں ہے
اللہ اللہ اُن کے ہونٹوں پر ہیں احکاماتِ خیر
دل شب مستی میں گزری صبح ویرانی میں ہے
کب بہکتے ہیں جو رندانِ ازل ہیں دوستو
ان کی ساری فکر تو اَذکارِ ربانی میں ہے
دارِ فانی ہے یہ دنیا آخری منزل ہے موت
پھر بھی انسانی تجسس فتنہ سامانی میں ہے
زندگانی جب ربابِ عشق پر کرتی ہے رقص
اُس کی ہر جنبش شعورِ نوع انسانی میں ہے
اپنی رحمت کی اماں دے آدمِ ناچار کو
وسوسے گھیریں ہیں دل کو آنکھ حیرانی میں ہے

مسعود چودھری

تِری دار سے ڈرنے والے نہیں
سِتم سے تِرے مرنے والے نہیں
قصیدے لکھیں کیوں تِری شان میں
کہ ہم تیرا دم بھرنے والے نہیں
اُٹھاکر چلے حق کا پرچم سدا
کہ میداں میں ہم ہرنے والے نہیں
تُو کہتا ہے جو بھی، کسی شکل میں
سمجھ لے کہ ہم کرنے والے نہیں
تِرے ڈر سے ہم طاقچوں میں کبھی
بجھا کر دیے دھرنے والے نہیں
یہ کن پانیوں پہ اُتارا ہمیں؟
تو سمجھا ہے ہم ترنے والے نہیں
اگر تُو نہیں اپنا کرتا ہمیں
تجھے اپنا ہم کرنے والے نہیں
اُٹھا کر قسم کہہ رہے ہیں تُجھے
کہ ہم تہمتیں دھرنے والے نہیں
رہِ حق کے مسعودؔ ہم ہیں شہید
کہ بے موت ہم مرنے والے نہیں

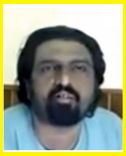

سلمان حیدر

کافر ہوں، سر پھرا ہوں مجھے مار دیجئے
میں سوچنے لگا ہوں، مجھے مار دیجئے
ہے احترام ِحضرت ِانسان میرا دین
بے دین ہو گیا ہوں، مجھے مار دیجئے
میں پوچھنے لگا ہوں سبب اپنے قتل کا
میں حد سے بڑھ گیا ہوں ، مجھے مار دیجئے
کرتا ہوں اہل جبہ ودستار سے سوال
گستاخ ہوگیا ہوں مجھے مار دیجئے
خوشبو سے میرا ربط ہے جگنو سے میرا کام
کتنا بھٹک گیا ہوں، مجھے مار دیجئے
معلوم ہے مجھے کہ بڑا جرم ہے یہ کام
میں خواب دیکھتا ہوں، مجھے مار دیجئے
زاہد یہ زہد و تقویٰ و پرہیز کی روش
میں خوب جانتا ہوں، مجھے مار دیجئے
پھر اس کے بعد شہر میں ناچے گا ہو کا شور
میں آخری صدا ہوں، مجھے مار دیجئے
میں ٹھیک سوچتا ہوں، کوئی حد میرے لیے؟
میں صاف دیکھتا ہوں ، مجھے مار دیجئے
یہ ظلم ہے کہ ظلم کو کہتا ہوں صاف ظلم
کیا ظلم کر رہا ہوں، مجھے مار دیجئے
میں عشق ہوں، میں امن ہوں، میں علم ہوں، میں خواب
اک دردِ لادوا ہوں، مجھے مار دیجئے
زندہ رہا تو کرتا رہوں گا ہمیشہ پیار
میں صاف کہہ رہا ہوں، مجھے مار دیجئے
جو زخم بانٹتے ہیں انہیں زیست پہ ہے حق
میں پھول بانٹتا ہوں، مجھے مار دیجئے
ہے امن شریعت تو محبت مرا جہاد
باغی بہت بڑا ہوں، مجھے مار دیجئے
بارود کا نہیں مرا مسلک درود ہے
میں خیر مانگتا ہوں، مجھے مار دیجئے !

عبیداللہ علیم

کوئی لاکھ سمندر پی جائے
کوئی لاکھ ستارے چھو آئے
کوئی پیاس کہیں رہ جاتی ہے
کوئی آس کہیں رہ جاتی ہے
کوئی زیست کا ساغر بھرتا ہے
کوئی پھر خالی ہو جاتا ہے
کوئی لمحے بھر کو آتا ہے
کوئی پل بھر میں کھو جاتا ہے
کوئی پیاس کہیں رہ جاتی ہے
کوئی آس کہیں رہ جاتی ہے

اشفاق حسین

تیرے پہلو میں ترے دل کے قریں رہنا ہے
میری دنیا ہے یہی مجھ کو یہیں رہنا ہے
کام جو عمرِ رواں کا ہے اسے کرنے دے
میری آنکھوں میں سدا تجھ کو حسیں رہنا ہے

دل کی جاگیر میں میرا بھی کوئی حصہ رکھ
میں بھی تیرا ہوں مجھے بھی تو کہیں رہنا ہے
آسماں سے کوئی اترا نہ صحیفہ نہ سہی
تو مرا دیں ہے مجھے صاحبِ دیں رہنا ہے
جیسے سب دیکھ رہے ہیں مجھے اس طرح نہ دیکھ
مجھ کو آنکھوں میں نہیں دل میں مکیں رہنا ہے
پھول مہکیں گے یوں ہی چاند یوں ہی چمکے گا
تیرے ہوتے ہوئے منظر کو حسیں رہنا ہے
میں تری سلطنتِ حسن کا باشندہ ہوں
مجھ کو دنیا میں کہیں اور نہیں رہنا ہے

جمیل الرحمن

لائے گی اُن کو خرابوں تک ابھی چلتی ہوا
بستیوں میں رہنے والوں کا سفر آساں نہیں
وہ ستارا گر رہا ہے ابر کی دیوار سے
آسماں کے پاس جس کے درد کا درماں نہیں
لے اڑی اس کو اب کی دہشت مری نیندیں جمیل
رہ گئی ہے بس زمیں اُس پر کوئی انساں نہیں

مقبول زیدی

ساغر و اغر مینا و مینا
چھوڑ دیا پینا، و مینا
آساں تھا اک ترکِ تعلق
مشکل ہے پر جینا، و مینا
بن آپس کے کیا دھاگہ، واگہ
دامن دِل کا سینا، و مینا
عشق کے در پر رُل جاتا ہے
سیانا، ویانا بینا، و مینا

اُوپر جانے کو کب لازم
سیڑھی، ویڑھی، زینہ، و مینا
خوشیاں بانٹو چھوڑو یاروں
نفرت وفرت کینا و مینا
دل اُس نے مقبولؔ دیا ہے
کب ہم نے ہے چھینا، و مینا

منور کنڈے انگلینڈ

پیڑ سے ایک دو کیا ثمر گر گئے
نگہِ بالا سے کتنے بشر گر گئے
بے کسوں پر کوئی وار کرتے ہوئے
جاں فشاں خود کسی لاش پر گر گئے
جن سے ماضی کی تہذیب منسوب تھی
اب تو گلشن میں وہ بھی شجر گر گرئے
کھائے جاتے ہیں رہ رہ کے جھوٹی قسمیں
اہلِ ایمان بھی کس قدر گر گئے
اپنے دشمن کو بے دست پا دیکھ کر
میرے ہاتھوں سے تیغ و تبر گر گئے
دہر میں لائے جب انقلاب آندھیاں
جو پرانے منور تھے گھر گر گئے

پروین شاکر

سب نے پوچھا خزاں کیا ہوتی ہے
تم نے میری مثال دی ہوتی
پوچھا موسم بدلتے ہیں کیسے
تم نے اپنی مثال دی ہوتی
پوچھا کیسے گھٹا برستی ہے
میری آنکھوں کی بات کی ہوتی
پوچھا رک رک کے کون چلتا ہے
میرے دل کی مثال دی ہوتی
کاش سب کچھ یوں نہ ہوا ہوتا
بات تم نے سنبھال لی ہوتی

بشارت احمد بشارت

رہنا بشر تم کو شاہوں کی سلامی میں
جینا ہے غلامی میں مرنا ہے غلامی ہیں
بدلہ ہے نہ بدلے گا جو وقت رواں ہے
اندھیروں کی نگری میں پیرانِ مذاہب ہیں
شیطان کے چیلوں میں ملا کچھ راہب ہیں
یہ تیرے مسیحا ہیں یہ تجھ کو گماں ہے
ایوانوں کا ایندھن ہے خوں تیرا یہ جاں تیری
مرنا ہے اشارے پر یہ کیسی اماں تیری
جلتی ہوئی لاشیں ہیں اٹھتا سا دھواں ہے
ہر دور نے روندھی ہے ہستی یہ تیری ایسے
بے گور کفن کوئی صحراؤں میں جیدے
انسان بشارت کیا انمول جہاں ہے

محمد اسحاق اطہر

نہیں میں سوچتا تم کو میں یاد کرتا ہوں
نگر اجڑے ہوئے دل کا فقط یاد کرتا ہوں
غموں کا بوجھ ہلکا ہو سکوں آئے گھڑی بھر کو
بیاں میں اس لئے دل کی تجھے روئیداد کرتا ہوں
نتیجہ ہے محبت کا تیرے ہی ذات سے مولی
کہ غیروں کے لئے اپنا سکوں برباد کرتا ہوں
اُلٹ جائے عدو کی ہر شرارت اُن پہ ہی یارب
تمہارے ہی میں آگے بس یہی فریاد کرتا ہوں

کوئی ہو غم خوشی آئے ہو مشکل کوئی بھی گر پیش
میں اطہر پر تیرے احساں سبھی وہ یاد کرتا ہوں

منور احمد کنڈے

لحہ لحہ کسی میان میں تھا
یعنی لحہ بھی امتحان میں تھا
امتحان میں مگر تھی ناکامی
یہ کسی اور ہی زبان میں تھا
کوئی شاہیں نہیں تھا خاک بسر
لحہ لحہ وہ آسمان میں تھا
میں صوفی وفا کے عالم کا
دشتِ فانی میرے دھیان میں تھا
حرف وہ جو سمجھ نہ آ پایا
عشق والوں کے ہی گمان میں تھا
بِک نہ پایا تھا میں غلام ترا
میں ہی انمول ہر دکان میں تھا

ابن ریاض

کافر سارے کے سارے مسلمان ہوگئے
اور مسلمان وہ بے چارے شیطان ہوگئے
یہودی فلسطینیوں پہ ظلم کرتے ہیں
شیعہ احمدی وطن میں لہو لہان ہوگئے
ایک طرف یمن زخمی اور شام لہو لہان
مسلم ہی مسلم کے دشمن جان ہوگئے
کیسے عالم ہیں رحمتوں سے بھاگیں
محبتیں چھوڑ کر نفرتوں کے نشان ہوگئے
سیاست کی بساط پہ دین کو پرکھیں
زخمی دل ہیں اور جذبے بے جان ہوگئے

فرحت عباس شاہ

تو کرتی ہے کس بات پہ اصرار خموشی
سب بولنے والے تو ہیں لا چار خموشی
کمرے میں پڑا رہتا ہے غمناک اندھیرا
آنگن میں بچھی رہتی ہے بیمار خموشی
پھر آج تلک روح سے جالے نہیں اترے
بولی تھی مرے کان میں اک بار خموشی
کچھ ڈھونڈتی رہتی ہیں خطا وار پکاریں
کچھ سوچتی رہتی ہے گنہگار خموشی
میں نے تو ہمیشہ تجھے بھیجی ہیں صدائیں
لوٹی ہے تری سمت سے ہر بار خموشی
کچھ باتیں غلط ہو کے بھی ہوتی ہیں ضروری
کچھ باتوں پہ پچھتانا ہے بے کار خموشی
جب ہم ہی یہاں بولنے والے ہیں تو پھر کیوں
ہم کو بھی بلاتی ہے سرِ دار خموشی

طاہرہ زرتشت نازنا روے

ایک زمانہ بیت گیا

دیس پرائے دل کو لگائے ایک زمانہ بیت گیا
اپنے وطن کو چھوڑ کے آئے ایک زمانہ بیت گیا
نیناں ہر پل نیر بہائے ہوک سی دل میں اُٹھتی ہے
دل میں ہجر کا داغ چھپائے ایک زمانہ بیت گیا
دل نے کیا کیا زخم ہیں کھائے ان انجانی راہوں میں
تم کو دل کا حال سنائے ایک زمانہ بیت گیا
بیری جگ کی جیت ہوئی ہم سچے ہو کر ہار گئے
منصف کو روداد سنائے ایک زمانہ بیت گیا
دیس کی سندر ماٹی من میں آج بھی پھول کھلائے ہے
ان پھولوں کے ہار پروئے ایک زمانہ بیت گیا
حق کی راہ اپنانے پر ہم ملزم اور مقہور ہوئے
شیخ کو کفر کی مہر لگائے ایک زمانہ بیت گیا
کب باجے گی چین کی بنسی کب پنچھی گھر آئیں گے
کل پرسوں کی آگ لگائے ایک زمانہ بیت گیا
دھرتی پنج دریاؤں کی دیکھو کیسی بے آب ہوئی
رحم کا مینہ برسے برسائے ایک زمانہ بیت گیا
حق کے پجاری رہ نہ سکیں اس دیس کا اب دستور ہوا
عدل کی ہر تحریر مٹائے ایک زمانہ بیت گیا
ہر ظالم اور جابر کی قسمت میں لکھی رُسوائی ہے
حاکم کو یہ حکم سنائے ایک زمانہ بیت گیا
سکھیاں بھی مل کر گائیں گی اور کرشنا بھی گھر آئیں گے
گوپی کے گھر کرشنا آئے ایک زمانہ بیت گیا

اطہر حفیظ فراز

ساغر و مے، صراحی، خماری آنکھیں
مجھ کو کافی ہیں جاناں!! تمہاری آنکھیں
میرے سپنوں میں آؤ خدا کے لئے
جلوہ حسن کی ہیں بھکاری آنکھیں
بے بہا عشق ان میں نظر آگیا
میں نے دل سے تمہارے گزاری آنکھیں
قدرتی پلک تیری فنا کر گئی
تجھ پہ سجتی نہیں ہیں بازاری آنکھیں
جس طرح چاہیں مجھ کو مرتب کریں
جس بھی سانچے میں ڈھالیں کمہاری آنکھیں
میرا دل تو اکیلا سنبھلتا نہیں
میرے دل کو سنبھالیں کنواری آنکھیں
عشق مجھ سے نہیں تھا تو میرے لئے
تم نے کاہے کو جاناں!! سنواری آنکھیں
تیری آنکھوں سے خود کو میں دیکھوں سجن!!

مجھ کو دو نا ذرا سی اُدھاری آنکھیں
دل نے سجدے خدا کو کئے ہیں فراز!!
حسن جاناں کی لیکن پجاری آنکھیں

چوہدری محمد علی مضطر عارفی

اجنبی آشنا نہ ہو جائے
پھر کوئی حادثہ نہ ہو جائے
پھول کا رنگ اُڑ نہ جائے کہیں
اور خوشبو رِہا نہ ہو جائے
مجھ کو ڈر ہے کہ فرطِ لذّت سے
پیڑ غم کا ہرا نہ ہو جائے
دیکھتی آنکھوں برسرِ دربار
پھر کوئی معجزہ نہ ہو جائے
شبِ فرقت ہو تیری عمر دراز
کہیں تو بھی جدا نہ ہو جائے
باخبر، با ملاحظہ، ہشیار
گم کہیں نقشِ پا نہ ہو جائے
بے یقینوں کو آ نہ جائے یقیں
درد پھر لادوا نہ ہو جائے
دل ہی اک یارِ غار ہے اپنا
کہیں یہ بھی خفا نہ ہو جائے
اکثریت کے زعم میں مضطرؔ
کہیں بندہ خدا نہ ہو جائے

صادق باجوہ

جب جُوئے شِیر لانا مقدر نہیں رہا
پتھر تراش کر بنا اک راستہ نیا
وہ کیسی آرزو تھی مچل کر جو کہہ گئی
نکلیں جو شوقِ دید میں رستہ انہیں دِکھا
مُبہم سی ایک آس تھی جس کو بُجھا دیا
وشن دل و نظر میں تھا اک یاد کا دیا
ہے کشتگانِ راہِ وفا کی کوئی خبر
مل جائے گر کہیں تو بتانا ہمیں ذرا
بحرِ طلب میں ڈوب کے ہوتے
ہیں سُرخرُو سچی تلاشِ رزق کی کیا خوب ہے
جزا طوفانِ تُند و تیز کی موجوں میں بہہ گئے
اپنا قصور دو سروں کے نام کر دیا
کچھ ایسی جسم و جاں میں تھی خوشبو رچی بسی
قربت کا جس نے ہر گھڑی ہم کو پتہ دیا
بگڑی کچھ ایسی، بات کوئی سوجھتی نہیں
جانے یہ کس نے دیدہ و دل پر ستم کیا
ٹھہرے ہوئے تھے دیر سے آنسو چھلک گئے
صادقؔ کسی کی یاد نے آکر یہ کیا کیا

عامر حسنی

بن تمہارے ہمارا گزارا نہیں
”چار دن کا سہارا سہارا نہیں“
تیری الفت سمندر سے گہری ہوئی
جس سمندر کا کوئی کنارہ نہیں
جس کی قاتل ادا قتل کر جائے ہے
اس سے پایا کبھی کیوں اشارہ نہیں
ماہ رخ میرا محبوب ہیروں جڑا
اس سا روشن کوئی بھی ستارہ نہیں
تم مری آنکھ کے سامنے بس رہو
تم کو دیکھے کوئی یہ گوارا نہیں
جانِ جاناں مرے دل پہ تم چھائی ہو
ایسی چھاؤں کہ جس بن گزارا نہیں
ہم کسی اور جانب نظر کیا کریں
تجھ سے بہتر کوئی بھی نظارہ نہیں
ہم سبھی کچھ لٹانے کو تیار ہیں
تجھ کو پاکر کوئی بھی خسارہ نہیں
میرے اللہ نے میری دنیا میں ہاں
چاند ایسا کوئی بھی اتارا نہیں
ہائے احساس ہے ہر گھڑی یاس ہے
میرا اس پر ہے کیونکر اجارہ نہیں
دل میں ایسی چبھن بڑھ رہی ہے یہاں
وہ کسی کا ہے کیونکر ہمارا نہیں
اس سے میرا گلہ ہر قدم ہر نفس
خود کو میرے لیے کیوں سنوارا نہیں
یہ سفارش ہے عامر مری جان سے
مجھ کو چھوڑو خدارا، خدارا نہیں

چوہدری محمد علی مضطر

ہجوم غم سے گھبرا گئی ہے
صبا گلشن سے باہر آگئی ہے
بھنور سے پڑ گئے خاموشیوں میں
صداؤں سے صدا ٹکرا گئی ہے
غم دوراں کے دھندلے غمکدوں میں
تیری تصوری بھی دھندلا گئی ہے
ستاروں کے کنارے گھس گئے ہیں
اُجالوں کی نظر پتھرا گئی ہے
گوالے رک گئے ہیں راستوں میں
یہ کس سے روٹھ کر دارھا گئی ہے
غریب شہر نے کس کو پکارا
بڑی گہری خاموشی چھا گئی ہے
تمنا کی پری سپنے میں مضطرؔ
سہاروں کی جبیں سہلا گئی ہے

***

بانو آپا۔سفر تمام ہوا

محمد ظہیر بدر

یار دلدار محمد حمید شاہد نے بانو قدسیہ پر تعزیتی نوٹ ثاقب لکھنوی کے شعر پر ختم کیا۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا..ہمیں سو گئے داستاں سنتے سنتے

تو داستانوں اور کہانیوں کا زمانہ یاد آیا۔بچپن یاد آیا تو بچپن اور تلازمے بھی یاد آئے۔بچپن میں سنتے تھے کہ جن دوستوں یا سہیلوں میں ہم آہنگی ہوتی تھی وہ کھیل ہو یا پڑھائی یا کوئی تقریب ایک ساتھ نظر آتیں۔انہیں دیکھ کر اکثر کہا جاتا تھا سینا مینا کی جوڑی آ گئی۔سینا ہندی میں فوج کو کہتے ہیں اردو کی لغت اس کے معانی کے بارے میں خاموش ہے۔اس لئے کوئی لسانیات کا ماہر ہی بتا سکتا ہے کہ یہ تابع موضع ہے یا تابع مہمل۔البتہ تا مینا اردو زمرہ ہے۔اشفاق احمد بانو قدسیہ کو ہم نے اکثر سینا مینا کی جوڑی کی طرح ایک ساتھ ہی دیکھا۔

فیروز پور کے ایک عیسائی گھرانے میں جنم لینے والی بانو قدسیہ چٹھہ جو اشفاق احمد سے شادی کے بعد پوری کی پوری اسلام میں داخل ہو گئیں اور ہم سب کی بانو آپا کہلائیں۔ایک مثالی جوڑے کی مثال بن گئیں۔اشفاق احمد کے ایک ڈرامے سیریز ''تو تا کہانی'' کی آخری کہانی میں منظر کچھ یوں تھا:

ایک زیرے متوسط طبقے کا محمد امین اکاونٹنٹ جو ایک امری کبیر کا روباری بن چاک تھا۔جس نے اپنی اپاہج بیوی کے ساتھ ساری زندگی گذار دی۔اُس کی بیٹی جب شادی کے بعد ایک دن گھر آتی ہے تو قدرا الجھے ہوئے لہجے میں ماں سے کہتی ہے ''یہ شادی شدہ زندگی بڑی مشکل ہے۔اماں تم نے کیسے گذار دی'' ماں بڑی سادگی سے مختصر سا جواب دیتی ہے۔''بیٹا معافی دے دے۔معافی مانگ لی بس اچھی گذر گئی''اشفاق احمد کے قلم سے نکلا ہوا یہ آخری جملہ ایک طرف عوام الناس کو ازدواجی زندگی میں کامیابی کی کلید فراہم کرتا ہے دوسری طرف ان کے فکر و فلسفہ حیات، خاص طور پر ازدواجی زندگی میں اپنے داخلی رجحانات کو بھی ظاہر کرتا ہے۔اس اعتبار سے اشفاق احمد بانو آپا کی زندگی ان کی اور ان کے بعد میں آنے والی نسل کے لئے ایک مینا نور کا درجہ رکھتی ہے۔

گو اشفاق احمد کی زندگی میں ہی ان کے اردگرد، ان کے دوستوں میں کتنی شادیاں ہوئی، کچھ اچھی نبھی کچھ روتے لڑتے جھگڑتے نبھتی رہیں۔کچھ بس یونہی اور کچھ کی بس کھلونے کی طرح ٹوٹ گئیں۔کسی بیوی کو اپنے خاوند سے گلا رہا کہ وہ ''دوسریوں'' کے روبرو ہوتا ہے۔بعض خاوندوں کو بیویوں سے شکایت رہتی ہے کہ بیگم صاحبہ کا دھیان کسی اور طرف ہے۔الغرض سب کی اچھی نہیں گذری۔مگر اس کے برعکس بانو آپا اور اشفاق احمد کی ''جنوں میں کتنی بھی گذری بکار گذری'' دونوں نے افسانے ڈرامے لکھے ''داستان گو'' نکالا۔

اپنی تحریروں میں ایک دوسرے کا عکس بنے۔نقادوں نے ایک دوسرے سے استفادے کا تاثر بھی ظاہر کیا۔اس سلسلہ میں دلچسپ بات یہ تھی کہ اپنے انتظامی عہدیوں اور نرم رویے کے باعث حکومتوں کے لئے باعث قبول ہونے کے باعث کو شدت پسند اشفاق احمد سے اختلاف رکھتے تھے اشفاق احمد بانو آپا سے استفادہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔بعضوں کی ''دیانتدارانہ'' رائے یہ تھی کہ آپا کی نسبت کیونکہ اشفاق احمد کا مرد ہونے کے ناتے ایکسپوئرز زیادہ ہے اس لئے استفادے کا الزام بانو آپا پر برمحل اور برحق ہے۔خاص طور پر جب بانو آپا کا شہرہ آفاق ناول ''راجا گدھ'' منظر عام پر آیا تو اس کے کئی حصے اور تاثرات ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں یار لوگوں نے پورے تیقین کے ساتھ فتویٰ صادر کر دیا کہ یہ منظر نامہ یا یہ سینر یو اشفاق صاحب کا لکھا ہوا ہے۔بعض نے تو اس ضمن میں بڑی ژرف نگاری سے کام لیتے ہوئے ان حصوں کا انداز تحریر کے اعتبار سے ناول کی تحریر سے الگ اور احد محسوس کرتے ہوئے اسے اشفاق احمد کا رنگ تحریر بھی قرار دیے دیا۔بہر حال افواہوں کی یہ گرد جلد ہی بیٹھ گئی۔''راجا گدھ'' مقبول ہوتا چلا گیا اور ہر سال اس ناول کا نیا ایڈیشن چھپتا چلا گیا۔لطف کی بات یہ ہے کہ اس ناول کی اشاعت کے حقوق جس پبلیشر کے پاس ہیں اس نے اپنے دیگر کتب کی طرح اس ناول کے نرخ بالا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں اٹھا رکھی مگر اب تک اس ناول کے تیس سے زیادہ ایڈیشن نکل چکے ہیں۔اور اس کی اشاعت آج بھی روز افزاں ہے۔ہر چند کے اس ناول میں پیش کی گئی فلاسفیوں سے اختلاف اور بعض جملوں پر ناپسندیدگی کا بھی اظہار خیال کیا گیا مگر اس کے باوجود اس کی مقبولیت روز افزوں ہے بلکہ آپا کی وفات کے بعد ''راجا گدھ'' کا جس قدر تذکری ہو رہا ہے امید کی جا سکتی ہے کہ پبلشر کو اس کا عنقریب ایک اور نیا

ایڈشن چھاپنا پڑے گا کیونکہ ہمارے یہاں روایت ہے کہ زندگی میں سچ فن پارے کو درکور اعتنا نہ سمجھا گیا فنکار کے مرنے کے بعد اسے بھی اعتنا مل جاتا ہے۔ جب کہ ''راجا گدھ'' تو ان کی زندگی میں مقبول اور معروف رہا۔ بانو آپا کی وفات پر ہر دل سوگوار تھا۔ عوام میں وہ ڈرامہ نگار اور اشفاق کی بیوی ہونے کی وجہ سے اور (اسی کی دھائی کے) نوجوانوں میں راجا گدھ کی وجہ سے مقبول تھیں۔ جب کہ دنیائے ادب میں وہ اپنی بھرپور شناخت رکھتی تھیں۔ اس وجہ سے ان کی رخصتی سب کو محسوس ہوئی، ان کا جنازہ جب داستان سرائے سے نکلا تو تو دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ میں کم ہی داستان سرائے میں گیا۔ اشفاق صاحب اور بانو آپا سے ملاقاتیں کبھی ایف ایس سی کالج، کسی تقریب یا ٹی وی سکرین پر ہوتی تھی۔ مگر یوں لگا جیسے میں داستان سرائے کا مکین تھا۔ جہاں بانو آپا اور اشفاق احمد بھی ہمارے ساتھ مقیم تھے۔ اشفاق صاحب کی رخصتی کے بعد جو رونقیں داستان سرائے میں باقی رہ گئی تھیں آپا کے ساتھ رخصت ہو رہی ہیں۔ کئی لوگ جو یقیناً ان کے رشتہ دار نہیں بڑی عمر کے تھے وہ بھی دہاڑے مار کر رو رہے تھے۔ میں چند ہی روز بلاک بی میں نعیم طاہر صاحب کے گھر سے لوٹ رہا تھا تو راستے میں بلاک داستان سرائے میں قدم رک گئے۔ چند روز قبل جب آپا کی ہسپتال آئی سی یو میں منتقلی کی خبر سنی تو عیادت کے لئے جاؤں گا۔ مجھے علم تھا کہ آپا ہسپتال میں ہیں مگر اس خیال سے کہ شاید ان کے صاحبزادوں میں سے کوئی گھر میں موجود ہو اس سے آپا کی خیر دریافت کر لوں گا۔ داستان سرائے کے چوکیدار نے بتایا کہ اثر احمد اتفاق ہسپتال میں ہی ہیں آپا کو آئی سی یو سے وارڈ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ میں اپنا وزیٹنگ کارڈ دے کر چلا آیا۔ جب دستان سرائے سے آپا اشفاق احمد کے پہلو میں قیام کے لئے رخصت ہو رہی تھیں تو معاً مجھے یاد آیا ایک بار شاید پچھلے سال کی بات ہے آپا کہ ہاں ایک غیر رسمی ملاقات کا عالم تھا۔ معروف براڈ کاسٹر ریاض محمود، نوجوان لڑکے لڑکیاں عورتیں جن کی اکثریت ''غیر قلمی'' تھی سب جمع تھے۔ آپا دھیمی دھیمی آواز میں بات کر رہی تھیں۔ اچانک اثیر احمد نے آپا سے پوچھا'' اگر بانو قدسیہ کو اشفاق احمد نہ ملتا تو بانو قدسیہ کس سے شادی کرتی'' آپا کے جواب سے سب لوگوں کے منہ سے بے اختیار نکل گئی اور چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی آپا نے بغیر توقف کے کہا'' پھر بانو قدسیہ شادی نہ کرتی'' آپا سے جب بھی ملاقات ہوئی دوسرے کئیوں کی طرح میں بھی آگے جھکتا اور وہ کندھے پر ہاتھ پھرتیں پنجاب کے، خصوصا بالائی پنجاب میں اس عمل کو دلاسہ دینا، دلاسہ لینا کہا جاتا ہے۔) اکثر بعد از مرگ کسی شخصیت سے وابستہ یادوں کے حوالے سے تعزیتی مضامین میں مرحومہ سے قربت یا قرابت داری ثابت کر کے خود کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ مجھے ایسا کوئی دعوی نہیں۔ بانو آپا جگت آپا سراپا تھیں۔ ان کی گفتگو میں سادگی، لہجے میں نرمی، ٹھہراؤ، چہرے پر اطمینان کا موسم طاری رہتا تھا۔ مل کر دیکھ کر انہیں سن کے بے اطمینانی اور کبیدگی خاطر ہو جایا کرتی تھی۔ اور زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ انسان کو اپنے جلو میں لے لیتی تھی۔ جب میں ان کے جنازے کو کندھا دے رہا تھا تب بھی ان کے دلاسے کا لمس محسوس کرتا رہا اور جب میں یہ سطور قلم بند کر رہا ہوں ان کے ہاتھ کا لمس اپنے کندھے پر محسوس کر رہا ہوں۔ حق مغفرت کرے۔

جسم و جاں تک یہ آگ آ پہنچی۔!

طاہر بھٹی جرمنی

بات ہے شان تاثیر کے بارے میں قتل کے فتوے کی اور مغلپورے تھانے میں درج پرچے کی اور کی جائے گی کھل کے... پوری وضاحت کے ساتھ۔ کل سے کوئی چار پانچ تحریریں اُردو انگریزی کی دیکھ چکا ہوں اور سارے لکھاری شان تاثیر کے معاملے میں پطرس بخاری بنے بیٹھے ہیں۔ اہل قلم طنازی سے مظلوم و مقہور کا ساتھ دینے نکلے ہیں... خدا خیر کرے۔ دولتانہ سپانسرڈ فسادات جب پنجاب بھر میں خوب بھڑک اٹھے تو ایک جلوس لائیلپور میں بھی سرفروشی کے نعروں سے مسلح ہو کر نکلا اور پولیس کی قلیل نفری پر ٹوٹ پڑنے کو تھا تو ڈپٹی کمشنر سے ہوائی فائر کرنے کی اجازت مانگی گئی۔ موصوف نے کہا کہ ہوائی فائر نہیں بلکہ سیدھی گولیاں مارو اور ہوم سیکرٹری کو کہا کہ ائیر کور کے لئے ہیلی کاپٹر بھیجو۔ میں ضلعی عوام کے جان و مال کا تحفظ کھوکھلی دھمکیوں سے نہیں کر سکتا۔ سارے پنجاب میں آگ بھڑکی اور آخر جنرل اعظم کے مارشل لاء سے ٹھنڈی کی گئی لیکن لائیلپور میں دوبارہ جلوس نہیں نکلا۔ اور یہ تفصیل پنجاب حکومت کی سرکاری طور پر جاری رپورٹ میں ججوں کی ڈپٹی کمشنر کے لئے تحسین کے ساتھ درج ہے۔ اختلاف کرنے سے قبل محقق مزاج احباب ملاحظہ فرمالیں۔ میں جب بھی بات شروع کرتا ہوں تو وہیں سے کہ جب آپ نے بے اصول اور لاقانونیت کو ایک کے لئے مباح قرار دیا تو باقی بھی اسی تلوار سے مریں گے۔

یقیں محکم عمل پیہم

روم کے بادشاہ ہرقل اور ایک مسلمان قیدی کے درمیان مکالمہ

رانا عبدالرزاق خان

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے روم سے لڑنے کے لیے ایک فوجی دستہ روانہ کیا، اس دستے میں ایک نوجوان صحابی عبداللہ بن حذافہ بن قیس السھمی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مسلمانوں اور قیصر کی فوج کے درمیان لڑائی نے طول پکڑ لی، قیصر مسلمانوں کی بہادر اور ثابت قدمی پر حیران ہوا اور حکم دیا کہ مسلمانوں کا کوئی جنگی قیدی ہو تو حاضر کیا جائے۔ عبداللہ بن حذافہ کو گھسیٹ کر حاضر کیا گیا جن کے ہاتھوں اور پاؤں میں ہتھکڑیاں تھی، قیصر نے ان سے بات چیت شروع کی تو ان کی ذہانت سے حیران رہ گئے، دونوں کے درمیان یہ مکالمہ ہوا:۔

قیصر: نصرانیت قبول کرلے تمہیں رہا کردوں گا۔

عبداللہ: نہیں۔

قیصر: نصرانیت قبول کرلے آدھی سلطنت تمہیں دے دوں گا۔

عبداللہ: نہیں۔

قیصر: نصرانیت قبول کرلے آدھی سلطنت دوں گا اور تمہیں حکمرانی میں شریک کروں گا۔

عبداللہ: نہیں، اللہ کی قسم اگر تم مجھے اپنی پوری مملکت، اپنے آباؤ اجداد کی مملکت، عرب وعجم کی حکومتیں بھی دے میں پلک جھپکنے کے لیے بھی اپنے دین سے منہ نہیں موڑوں گا۔

قیصر: غضبناک ہوا اور کہا: تجھے قتل کردوں گا:

عبداللہ: مجھے قتل کردے۔

قیصر: نے حکم دیا کہ ان کو ایک ستون پر لٹکا کر ان کے آس پاس تیروں کی بارش کی جائے (ڈرانے کے لیے) پھر اس کو عیسائیت قبول کرنے یا موت کو گلے لگانے میں سے ایک بات کا اختیار دیا جائے۔ جب قیصر نے دیکھا کہ اس سے بھی بات نہیں بنی وہ کسی حال میں اسلام چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو حکم دیا کہ قید میں ڈال دو اور کھانا پینا بند کردو... عبداللہ کو کھانا پینا نہیں دیا گیا یہاں تک کہ پیاس اور بھوک سے موت کے قریب ہو گئے تو قیصر کے حکم سے شراب اور خنزیر کا گوشت ان کے سامنے پیش کیا گیا... جب عبداللہ نے یہ دیکھا تو کہا: اللہ کی قسم مجھے معلوم ہے کہ میں وہ مضطر (پریشان حال) ہوں جس کے لیے یہ حلال ہے، مگر میں کفار کو خوش کرنا نہیں چاہتا، یہ کہہ کر کھانے کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔ یہ بات قیصر کو بتائی گئی تو اس نے عبداللہ کے لیے بہترین کھانا لانے کا حکم دیا، اس کے بعد ایک حسین وجمیل لڑکی کو ان کے پاس بھیجا گیا کہ ان کو چھیڑے اور فحاشی کا مظاہرہ کرے... اس لڑکی نے بہت کوشش کی مگر عبداللہ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہے... جب لڑکی نے یہ دیکھا تو غصے سے باہر چلی آئی اور کہا: تم نے مجھے کیسے آدمی کے پاس بھیجا میں سمجھ نہ سکی کہ وہ انسان ہے یا پتھر... اللہ کی قسم اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ میں مذکر ہوں یا مونث!! جب قیصر کا ہر حربہ ناکام ہوا اور وہ عبداللہ کے بارے میں مایوس ہوا تو ایک پیتل کی دیگ منگوائی اور اس میں تیل ڈال کر خوب گرم کیا اور عبداللہ کو اس دیگ کے سامنے لایا اور ایک اور مسلمان قیدی کو زنجیروں سے باندھ کر لایا گیا اور ان کو اُٹھا کر اس اُبلتے تیل میں ڈالا گیا جن کی ایک چیخ نکلی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی ہڈیاں الگ ہوگئیں اور تیل کے اوپر تیرنے لگی، عبداللہ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے، اب ایک بار پھر قیصر عبداللہ کی طرف متوجہ ہوا اور نصرانیت قبول کرنے اور اسلام چھوڑنے کی پیش کش کر دی مگر عبداللہ نے انکار کر دیا۔ قیصر غصے سے پاگل ہونے لگا اور حکم دیا کہ یہ دیگ میں موجود تیل اٹھا کر عبداللہ کے سر پر ڈال دی جائے، جب قیصر کے کارندوں نے دیگ کھینچ کر عبداللہ کے قریب کیا اور اس کی تپش کو محسوس کیا تو عبداللہ رونے لگے!! آپ کی ان خوش نصیب آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے جن آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور دیکھا تھا!! یہ دیکھ کر قیصر خوشی سے جھومنے لگا اور کہا: عیسائی بن جاؤ معاف کردوں گا، عبداللہ نے کہا: نہیں قیصر: پھر رویا کیوں؟

عبداللہ: اللہ کی قسم میں اسلئے رو رہا ہوں کہ میری ایک ہی جان ہے جو اس دیگ میں ڈالی جائے گی... میری یہ تمنا ہے کہ میری میرے سر کے بالوں کے برابر جان ہوں اور وہ ایک ایک کر کے اللہ کی راہ میں نکلیں... یہ سن کر قیصر نے مایوسی کے عالم میں عبداللہ سے کہا: کیا یہ ممکن ہے کہ تم میرے سر کو بوسہ دو اور میں تمہیں رہا کروں؟ عبداللہ: اگر میرے ساتھ تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کرتے ہو تو میں تیرے سر کو بوسہ دینے کے لیے تیار ہوں۔

قیصر: ٹھیک ہے عبداللہ نے اپنے ساتھ دوسرے مسلمانوں کو رہا کرنے کے لیے اس کافر کے سر کو بوسہ دیا اور سارے مسلمان رہا کیے گئے۔ جب واپس عمر بن الخطاب کے پاس پہنچ گئے اور آپ کو واقعہ بتا دیا گیا تو عمر نے کہا: عبداللہ بن حذافہ کے سر کو بوسہ دینا ہر مسلمان پر ان کا حق ہے اور خود اٹھے اور عبداللہ کے سر کو بوسہ دیا۔ رضی اللہ عنھم کیسی سیرت تھی صحابہؓ کی! کیسی قربانیاں تھیں ان کی! کیا یہ اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیے!! بلکہ یہی اصل ہیرو ہیں زندگیوں کے اور آج کل ہمارے پاس اپنی اولادوں کو اسلام کے ہیروؤں کے بارے میں بتانے کا وقت نہیں ہے۔ ہماری اولادیں یہ تو جانتی ہیں کہ سپر مین، آئرن مین، بیٹ مین، یہ ہیرو ہیں جو ایک خیالی ہیں اور اصل ہیرو کون اور کیسے ہوتے ہیں یہ ہی نہیں علم۔ اللہ سب کو علم دین سیکھنے اور سکھانے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔ (ماخوذ)

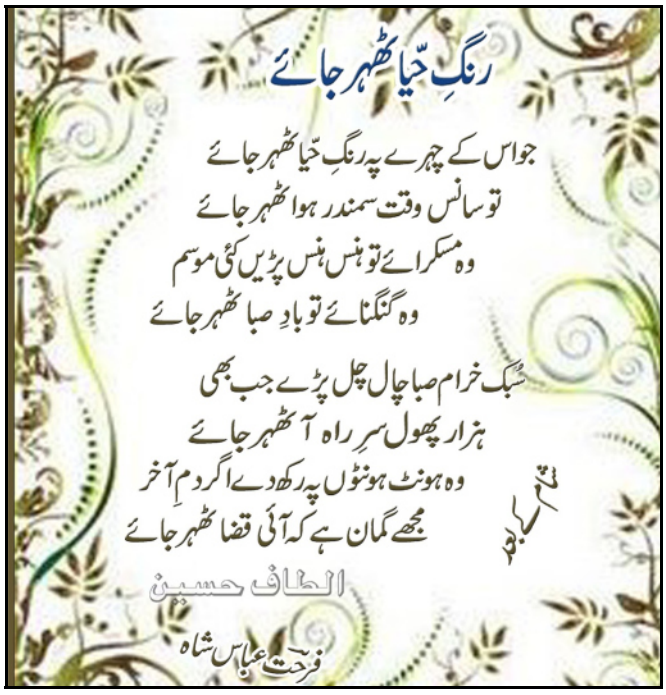

دھیان سے پڑھنا

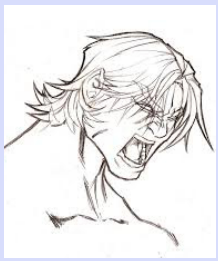

بڑے غصے سے میں گھر سے چلا آیا۔ اتنا غصہ تھا کہ غلطی سے پاپا کے جوتے پہن کے نکل گیا۔ میں آج بس گھر چھوڑ دوں گا!! اور تبھی لوٹوں گا جب بہت بڑا آدمی بن جاؤں گا۔!! جب موٹر سائیکل نہیں دلوا سکتے تھے، تو کیوں انجینئر بنانے کے خواب دیکھتے ہیں؟!! آج میں پاپا کا پرس بھی اُٹھا لایا تھا۔ جسے کسی کو ہاتھ تک نہ لگانے دیتے تھے۔ مجھے پتہ ہے اس پرس میں ضرور پیسوں کے حساب کی ڈائری ہوگی۔ پتہ تو چلے کتنا مال چھپا یا ہے۔ ماں سے بھی اسے ہاتھ نہیں لگانے دیتے کسی کو جیسے ہی میں عام راستے سے سڑک پر آیا، مجھے لگا جوتوں میں کچھ چبھ رہا ہے۔ میں نے جوتا نکال کر دیکھا میری ایڑھی سے تھوڑا سا خون رس آیا تھا۔ جوتے کی کوئی کیل نکلی ہوئی تھی، درد تو ہوا پر غصہ بہت تھا۔ اور مجھے جانا ہی تھا گھر چھوڑ کر۔ جیسے ہی کچھ دور چلا مجھے پاؤں میں گیلا گیلا سا لگا، سڑک پر پانی پھیلا ہوا تھا۔ پاؤں اٹھا کے دیکھا تو جوتے کی تلی پھٹی ہوئی تھی۔ جیسے تیسے لنگڑا کر بس سٹاپ پر پہنچا پتہ چلا ایک گھنٹے تک بس نہیں آئے گی۔ میں نے سوچا کیوں نہ پرس کی تلاشی لی جائے۔ میں نے پرس کھولا، ایک پرچی دکھائی دی، لکھا تھا۔ لیپ ٹاپ کے لئے 40 ہزار قرضہ لیا، پر لیپ ٹاپ تو گھر میں میرے پاس ہے؟ دوسرا ایک جوڑ مڑا دیکھا، اس میں ان کے آفس کی کسی شوق ڈے کا لکھا تھا۔ انہوں نے شوق لکھا: اچھے جوتے پہننا۔ اوہ... اچھے جوتے پہننا؟؟؟ پران کے جوتے تو.....!!!! ماں گذشتہ چار ماہ سے ہر پہلی کو کہتی ہے: نئے جوتے لے لو۔ اور وہ ہر بار کہتے: ''ابھی تو 6 ماہ جوتے اور چل جائیں گے۔'' میں اب سمجھا کتنے چل جائیں گے؟؟؟ تیسری پرچی:: پرانا سکوٹر دیجئے ایکسچینج میں نئی موٹر سائیکل لے جائیں۔ پڑھتے ہی دماغ گھوم گیا۔ پاپا کا سکوٹر۔ اوہ ہ ہ ہ۔ میں گھر کی طرف بھاگا۔ اب پاؤں میں وہ کیل نہیں چبھ رہی تھی۔ میں گھر پہنچا۔ نہ پاپا تھے نہ سکوٹر اوہ!! نہیں!! میں سمجھ گیا کہاں گئے؟ میں بھاگا اور ایجنسی پر پہنچا۔ پاپا وہیں تھے۔ میں نے ان کو گلے سے لگا لیا، اور آنسوؤں سے ان کا کندھا بھیگ گیا۔ نہیں پاپا نہیں۔ مجھے نہیں چاہئے موٹر سائیکل۔ بس آپ نئے جوتے لے لو اور مجھے اب بڑا آدمی بننا ہے۔ وہ بھی آپ کے طریقے سے۔ ماں ''ایک ایسی بینک ہے جہاں آپ ہر احساس اور دکھ جمع کر سکتے ہیں اور ''پاپا'' ایک ایسا کریڈٹ کارڈ ہے جن کے پاس بیلنس نہ ہوتے ہوئے بھی ہمارے خواب پورے کرنے کی کوشش ہے۔ آصف

پاکستان کا معمر ترین، 81 سالہ خطرناک ترین ''دہشت گرد''

اے آر خاں لندن

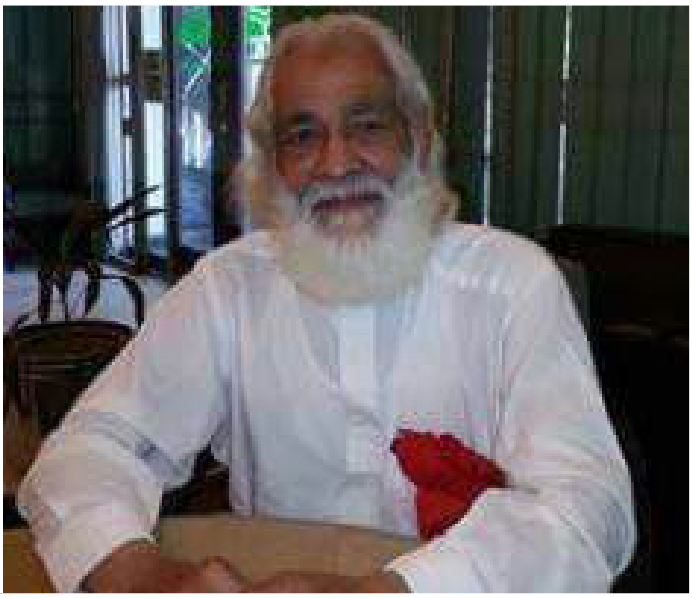

مرکے بھی نام تیرا زندہ رہے گا
اپنے کیئے پر غیر شرمندہ رہے گا
غیر اپنے حربے آزما رہا ہے
تیری تقدیر کا ستارہ تابندہ رہے گا
(فرحت احمد فرحت)

قیام پاکستان کے وقت لاکھوں دیگر مہاجرین کی طرح ایک ٹین ایج لڑکا بھی اپنے خاندان کے ہمراہ، اپنے آبائی وطنِ مالوف دہلی کو چھوڑ کر، آنکھوں میں بہت سے خواب سجائے دارالامان پاکستان چلا آیا... یہاں آ کر اس نے اپنی جملہ تعلیم سے فراغت کے بعد شاہینوں کے شہر سرگودھا میں چشموں (عینکوں) کی شاپ کھول لی۔ وقت دھیرے دھیرے رینگتا رہا... یہاں تک کہ 1974ء کا خونیں سال آ گیا۔ بلوائیوں (سرکاری مسلمانوں) نے اسکی دکان لوٹ لی۔ مکان جلا دیا گیا۔ مجبوراً اسے ایک مرتبہ پھر اپنے بیوی بچوں سمیت سرگودھا سے بھی ہجرت کر کے احمدی آبادی والے شہر ربوہ میں پناہ لینی پڑی۔ اس باہمت شخص نے ربوہ کے چھوٹے سے شہر کے ''گولبازار'' نامی بازار میں ایک دوکان کے باہر میز لگا کر اپنا چشموں کا بزنس پھر سے شروع کر لیا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک دوکان لیکر اس میں چشموں کے بزنس کے علاوہ کتابوں کی فروخت کا کاروبار بھی شروع کر دیا۔ گزشتہ دنوں اِس بوڑھے عبدالشکور المعروف ''شکور بھائی چشمے والے'' کی دکان پر پنجاب کی گڈ گورنس گورنمنٹ کی چست و بہادر پولیس نے (مولویوں کی شہ پر) پولیس کمانڈوز کے ذریعے دھاوا بول کر اُسے گرفتار کر لیا۔ اور پھر فیصل آباد میں ''دہشت گردی'' کی ایک خصوصی عدالت میں پاکستان کی تاریخ کا تیز ترین مقدمہ چلا۔ اور گرفتاری کے چند ہفتوں کے اندر اندر پاکستان کے اس ''خطرناک ترین 81 سالہ دہشت گرد'' کو 8 سال کی قید سنا دی گئی ...!! سوال یہ ہے کہ اسکا جرم آخر تھا کیا...؟! کیا دکان سے وسیع تباہی پھیلانے والا کوئی دھماکا خیز مواد خودکش جیکٹس یا مارٹر گولے وغیرہ برآمد ہوئے تھے۔ کیا اس خطرناک دہشت گرد نے کسی مسجد، امام باڑے، چرچ، پلازے یا فوجی تنصیبات کو اُڑانے کی پلاننگ کر رکھی تھی۔ جسکی پولیس کو (مولویوں کے ذریعہ) بروقت اطلاع مل گئی...؟ جی نہیں۔ ان سوالوں کا جواب اکبرالہ آبادی کے اس مشہور شعر میں برسوں پہلے سے درج ہے کہ

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اِس زمانے میں!

یہ ایک شاعرانہ تعلّی ہے۔ وگرنہ کافر انگریز کے دَور میں تو ہر ایک کو اپنے مذہب، مسلک و عقیدہ پر چلنے کی مکمل مذہبی آزادی تھی۔ کبھی کسی نے ''تھانے''

رپٹ درج نہیں کروائی - ہاں البتہ یہ سعادت ، پاکستان بالخصوص پنجاب گورنمنٹ کے حصہ میں آئی ہے کہ متذکرہ 81 سالہ بوڑھے کا سنگین جرمِ عظیم یہ ہے کہ اسکی دکان سے قرآن پاک کے نسخے بھی ''برآمد'' ہوئے - نیز احمدیوں کو فروخت کیلئے ، احمدیوں ہی کی لکھی گئی کتب بھی برآمد ہوئیں...!

اتنا ''خطرناک دہشت گرد'' تو واقعی سزا کا مستحق ہے.....!!! لیکن یہ معمر خطرناک مجرم نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا ہے کہ پیشتر ازیں بھی ہجرتوں کی بھٹیوں سے گزرنے مقدمات اور قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا کرنے کے باوجود اسکے سفید بالوں والے باریش دمکتے چہرے کی دلآویز دائمی مسکراہٹوں پر سرِ موفرق نہیں آیا - لاریب زندانوں کے در دیوار بھی اِس پرانے عادی ، دیوانے و بلند حوصلہ ''مجرم'' کے چہرے کی دائمی مسکان کو دیکھ کر زبان حال سے ثاقب زیروی کے اِن منظوم حرفوں کی جگالی کر رہے ہونگے کہ...

جب زخم لگے تو چہرے پر پھولوں کا تبسم لہرائے
فرزانوں کا اتنا ظرف کہاں، یہ حوصلہ ہے دیوانوں کا

ویسے پاکستان کی سول عدلیہ تو اُن خونی دہشت گردوں کو پھانسی کے تختے تک نہیں پہنچا سکی ، جن دہشت گردوں نے سینکڑوں معصوموں کی جانیں لی ہیں - کیونکہ ان دہشت گردوں کے سفارشی یہی علمائے سُو ہیں - جو دہشت گرد پالتے ہیں اور ان کی ہر لحاظ سے مدد کرتے ہیں - ممتاز قادری کو ، اُسامہ بن لادن کو شہید گردانتے ہیں - لال مسجد کے برقع پوش جہادی کو سپورٹ کرتے ہیں - فوجی عدالتوں کے اختیارات کے ختم ہونے پر خوش ہیں - مگر احمدیوں کو ۲۹۵ سی کی دفع لگا کر سزائے موت دینے کے متمنی ہیں - دہشت گرد تنظیموں کے خوف سے ان دہشت گردوں سے متعلق فیصلہ جات پر عملدرآمد سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت معطل ہے - احمدیوں کو علمائے سُو کونسل پنجاب کے احکامات کی روشنی میں تنگ کیا جا رہا ہے - کیونکہ یہ کارِ ثواب ہے - اور حکمِ یزید ہے - عدالتیں سب اس ظلم میں برابر کی شریک ہیں - عدلِ فاروقی اور عدلِ جہانگیری معطل ہے - حکمِ شیرانی اور حکم طاہر اشرفی جاری ہے - بلکہ سب پر بھاری ہے - یہی اصل بیماری ہے - تشخیص جاری ہے -

خدا رُسوا کرے گا تجھے اور میں اعزاز پاؤں گا
سُنو! اے منکرو اب یہ کرامت آنے والی ہے

--*

افتخار عارف کی چند معروف غزلیں

حامی بھی نہ تھے منکرِ غالب بھی نہیں تھے
ہم اہلِ تذبذب کسی جانب بھی نہیں تھے

اس بار بھی دُنیا نے ہدف ہم کو بنایا
اس بار تو ہم شہ کے مصاحب بھی نہیں تھے

بچ آئے سرِ قریہ زر، جوہرِ پندار
جو دام ملے ایسے مناسب بھی نہیں تھے

مٹّی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے
وہ قرض اُتارے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

لو دیتی ہوئی رات سخن کرتا ہوا دن
سب اس کیلئے جس سے مخاطب بھی نہیں تھے

ری شوریدہ مزاجی کے سبب، تیرے نہیں
اے مِرے شہر! ترے لوگ بھی اب تیرے نہیں

میں نے ایک اور بھی محفل میں انہیں دیکھا ہے
یہ جو تیرے نظر آتے ہیں، یہ سب تیرے نہیں

یہ بہ ہر لحظہ نئی دھن پہ تھرکتے ہوئے لوگ
کون جانے کہ یہ کب تیرے ہیں، کب تیرے نہیں

تیرا احسان کہ، جانے گئے، پہچانے گئے
اب کسی اور کے کیا ہوں گے یہ جب تیرے نہیں

دربدر ہو کے بھی جو تیری طرف دیکھتے تھے
وہ ترے خانماں برباد بھی، اب تیرے نہیں

اب گلہ کیا کہ ہوا ہو گئے سب حلقہ بگوش
میں نہ کہتا تھا کہ یہ سہل طلب، تیرے نہیں

ہو نہ ہو دل پہ کوئی بوجھ ہے بھاری، ورنہ
بات کہنے کے یہ انداز یہ ڈھب، تیرے نہیں

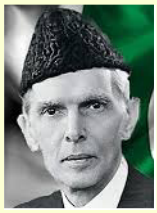

محمد علی جناح۔غیر فطری ریاست کے بانی

عاصف جاوید ٹورنٹو

پاکستان ایک غیر فطری ریاست ہے۔ یہ ملک ایک جھوٹ کی بنیاد پر بنا، وہ جھوٹ یہ تھا کہ ''ہندو اور مسلمان دو علیحدہ قومیں ہیں، جس کی بنیاد پر مسلمان ایک علیحدہ وطن چاہتے ہیں'' ہندو اور مسلمان دو علیحدہ قومیں ہیں۔ یہ پاکستان بنانے کے لئے جناح صاحب کی منطقی دلیل تھی، جس کو ایک وکیل کی حیثیت سے جناح صاحب نے انگریزوں کے سامنے پیش کیا، اور اس دلیل کی بنیاد پر جناح صاحب نے پاکستان کا مقدمہ جیت لیا۔ بظاہر تو ایسا لگتا ہے کہ جناح صاحب کی مدبّرانہ قیادت میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن پاکستان بنایا، اور اُس وقت کے حالات کے تحت بظاہر ایسا تھا بھی۔ مگر معروضی حالات کچھ اور تھے۔

تاریخ، سماجیات اور سیاسیات سے واقف لوگوں کو علم ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد انگریز پوری دنیا میں پھیلی ہوئی اپنی نو آبادیات کو ختم کر کے ان کو آزادی دینا چاہتے تھے، اور برطانوی اربابِ اقتدار، امریکہ کے حلیف کے طور پر امریکہ کی ایماء پر موجودہ پاکستان کی جغرافیائی حدود میں ایک بفر اسٹیٹ بنانے کے پلان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے، ہندوستان سے ہی کسی اندرونی مطالبے کے لئے فضاء کو سازگار بنانے کی در پردہ کوششوں میں مصروفِ عمل تھے۔ جو انہیں جناح اور مسلم لیگ کی شکل میں میسّر آ گیا تھا۔ (اِس ہی لئے کچھ لوگ جناح صاحب کو انگریزوں کا ایجنٹ بھی سمجھتے تھے)۔

جناح صاحب کوئی مقبول عوامی لیڈر کبھی بھی نہیں تھے۔ نہ ہی انہیں عوامی سیاست کا کوئی تجربہ تھا۔ انہیں تو ہندوستان کی عوامی زبان ہندی (جسے پاکستان میں اردو کہا جاتا ہے) بھی نہیں آتی تھی۔ اپنی مادری زبان کچھی گجراتی بھی وہ مشکل سے بولتے تھے۔ جناح صاحب عوامی طرزِ زندگی سے الگ تھلگ، بمبئی کی انتہائی اعلیٰ، مہذّب سول سوسائٹی کے نمایاں فرد اور ایک کامیاب وکیل تھے۔ مغربی طرزِ زندگی کے دلدادہ تھے، انگریزی بولتے تھے، کتّے پالتے تھے، ریس کورس گراونڈ میں گھوڑوں کی ریس پر باقاعدہ جوا کھیلتے تھے، سور کا گوشت کھاتے اور وہسکی شراب پیتے تھے۔ انہوں نے تو مسلم لیگ کی صدارت اور عوامی زندگی شروع کرنے سے قبل کبھی نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔ جناح صاحب سر آغا خان کے ذاتی دوست تھے اور سر آغا خان نے ہی جناح صاحب کو مسلم لیگ کی صدارت کی پیشکش کی تھی۔ واضح کرتا چلوں کہ یہ وہی سر آغا خان تھے، جن کو انگریزوں نے ہی مسلمانوں کی کسی نمائندہ سیاسی جماعت کو کھڑا کرنے کا مشورہ دیا تھا اور جس کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ قائم کی گئی جس کا پہلا اجلاس بنگال میں ہوا تھا۔

جناح صاحب ایک ہوشیار، سمجھدار اور زیرک وکیل تھے۔ ان کو دلیل اور منطق کے ذریعے اپنی بات منوانے کا فن آتا تھا۔ جناح صاحب انگلینڈ کے مشہور قانونی تعلیمی ادارے ''لنکنز اِن'' سے تعلیم یافتہ، تجربہ کار قانون دان تھے، عالمی قوانین اور اقوامِ متّحدہ کے عالمگیر منشور برائے انسانی حقوق سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ جناح صاحب کو سیکولرازم اور سیکولر ریاستی نظام کی برکات کے بارے میں اچھّی طرح معلوم تھا، ہندوستان کی تقسیم کے لئے، مسلمانوں کی ایک علیحدہ ریاست کا نعرہ لگا کر، انہوں نے ٹیکنیکل بنیاد پر اپنا مقدمہ تو جیت لیا تھا، ایک جھوٹ کی بنیاد پر علیحدہ وطن تو حاصل کر لیا تھا، مگر وہ پاکستان کو کبھی بھی ایک تھیا کریٹک یعنی نظریاتی مذہبی ریاست بنانا نہیں چاہتے تھے۔

جناح صاحب دانشورانہ سطح کے قانون داں تھے۔ انہیں بنیاد پرست مذہبی ریاست کی خامیوں اور ہولناکیوں کا مکمّل ادراک تھا، اس لیے انہوں نے گیارہ اگست، سنہ 1947 کو پاکستان کی پہلی قانون ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے، نوزائیدہ ملک کے آئینی ڈھانچے کا روڈ میپ بھی پیش کر دیا تھا۔ جس میں جناح صاحب نے واضح طور پر بتا دیا تھا کہ '' آج سے آپ آزاد ہیں، آپ آزاد ہیں، اپنے مندروں میں جانے کے لئے، اپنے کلیساؤں میں جانے کے لئے، اپنی

مساجد میں جانے کے لئے، آج کے بعد آپ دیکھیں گے کہ پاکستان میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندو ہندو نہیں رہے گا، مسلمان مسلمان نہیں رہے گا'' یہ پاکستان کو ایک سیکولر ریاست بنانے کا واضح اعلان تھا۔ جس کو تقویت جناح صاحب کے اِس اقدام سے ملتی ہے کہ جب انہوں نے اپنی پہلی کابینہ بنائی تو اُس میں جوگندرناتھ منڈل نامی ہندو بنگالی کو جو بنگال سے کانگریس کی سیٹ پر منتخب ہوئے تھے، اُن کو اپنی کابینہ کا پہلا وزیرِ قانون بنایا، اور ایک احمدی کو اپنی کابینہ کا پہلا وزیرِ خارجہ بنایا تھا۔ جناح صاحب کی گیارہ اگست کی تقریر سننے کے بعد بنیاد پرست مسلمانوں پر سکتہ طاری ہوگیا تھا، جو اُن کی وفات کے بعد'' قراردادِ مقاصد'' کی شکل میں سامنے آیا۔ یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ پاکستان پہلے وجود میں آیا، اور اس کے بنانے کی قرارداد پاکستان کے بننے کے بعد گھڑی گئی۔ نظریہ پاکستان جس کو دوقومی نظریہ بھی کہا جاتا ہے، ایک سفید جھوٹ تھا، اگر دوقومی نظریہ سچ ہوتا، تو پاکستانی مسلمان ایک قوم ہوتے۔ بنگالی مسلمان 23 سال تک اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں حق تلفی کا شکار اور ذلیل نہ ہوتے۔ پاکستان کبھی بھی نہ ٹوٹتا۔ دوقومی نظریہ، 1971 میں بنگلہ دیش بننے اور سقوطِ پاکستان کے ساتھ ہی خلیج بنگال میں ڈبو دیا گیا تھا۔ جناح کا پاکستان تو 1971 میں ہی ختم ہو چکا ہے۔ موجودہ پاکستان پنجاب کا محکوم اور غلام پاکستان ہے، صوبہ پنجاب کے علاوہ باقی تین صوبوں کے عوام پنجابیوں کی بدترین غلامی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ طاقت کا سرچشمہ افواجِ پاکستان میں 90 فیصد جنرلز، 85 فیصد افسران اور 75 فیصد سے زائد جوان پنجاب سے تعلّق رکھتے ہیں۔

جاگ پنجابی جاگ، تیری پگ نوں لگ گیا داغ کے نعرے کے بعد پنجاب سے قومی اسمبلی کی جو 100 فیصد نشستیں ہیں وہ پنجابی نعرے کی بنیاد پر پنجابیوں کو وفاق میں حکومت قائم کرنے کا قانونی جواز فراہم کرتی ہیں۔ وفاق کے زیرِ انتظام اداروں اور بیوروکریسی میں پنجابیوں کی تعداد 70 فیصد سے زائد ہے۔ پاکستان عملاً پنجاب کی غلامی میں ہے۔ واضح اور تازہ مثال یہ ہے کہ سی پیک کا منصوبہ گوادر اور بلوچستان میں ہے، مگر ترقّی صرف پنجاب میں ہو رہی ہے۔

خالص پاکستانی قوم نام کی کوئی مخلوق پاکستان میں نہیں رہتی، یہ سب خام خیالی ہے کہ ہم ایک پاکستانی قوم ہیں۔ آج 70 سال گزرنے کے بعد بھی ماشاء اللہ ہم سب پنجابی،، سندھی، پختون، بلوچی، اور مہاجر ہیں۔ مذہب کو ریاست اور ریاست کو سیاست سے ختم کئے بغیر، سماجی انصاف اور وسائل کی منصفانہ تقسیم کئے بغیر، افوجِ پاکستان، وفاقی اداروں اور بیوروکریسی میں پنجاب کی اجارہ داری ختم کئے بغیر اور ان اداروں میں تمام لسّانی قومیتوں کو منصفانہ نمائندگی دیئے بغیر، جاگیرداری اور طبقاتی نظام کا خاتمہ کئے بغیر، ایک پاکستانی قومیت کا تصوّر محال ہے۔ یہی حقیقت بھی ہے۔ میں ایک لکھاری ہوں، تاریخ اور سماجیات کا طالبعلم ہونے کی حیثیت سے غیر فطری ریاست کے بانی محمد علی جناح کے یومِ پیدائش پر میں جناح صاحِب کو صرف اپنی تحریر سے ہی خراجِ تحسین پیش کرسکتا ہوں۔ جو میں نے کر دیا ہے۔

--*

شگفتہ شفیق

جو تم نے مجھ سے کئے ہیں سوال جانے دو
ہے ہجر راس ہمیں تو و صال جانے دو
یہ فیصلہ ہے مرا آج تم بھی سن جاؤ
کبھی نہ ہو گا تعلق بحال جانے دو
مجھے بلانے کی باتیں ہزار کرتے ہو
جواب جان کے ہو گا ملال جانے دو
عداوتیں بھلا میرا بگاڑ لیں گی کیا ؟؟
محبتوں کا بھی دیکھا ہے حال جانے دو
تمہارے بارے میں کیا سوچتے رہے ہیں ہم
نہ پوچھو ہم سے ہمارا خیال جانے دو
یہ لوگ مجھ پہ بھلا اِس قدر ہیں کیوں مرتے
خدا نے مجھ کو دیا ہے کمال جانے دو
تمہیں تو اپنی ہی شہرت عروج سے ہے غرض
ملے شگفتہ کو چاہے زوال جانے دو

چند معروضات محترم مضمون نگار کے نام

عبدالحئی بشارت

جواب مضمون مندرج بالا

فاضل لکھاری جناب آصف جاوید صاحب نے اپنے مضمون میں بہت سی باتیں ٹھیک لکھی ہیں ماشاء اللہ تاریخ اور تحریر پر گہری نظر رکھتے ہیں۔مگر چند باتوں کو اپنے انداز اور ذاتی سوچ کی بنیاد پر اپنا نکتہ نظر بیان کرتے ہیں۔جس سے میں کلیتاً اختلاف کرتا ہوں اور یہ میرا حق ہے اور فرض ہے کہ اپنی ذات سے بلند ہو کر تاریخ کو شفاف رکھا جائے اس میں ملونی نہیں ہونی چاہیے۔قائداعظم محمد علی جناح کی پوری زندگی جھوٹ اور منافقت سے مبرا رہی اور اس بات کی تاریخ گواہ ہے۔ یاد رہے کہ کیچڑ پھینکنے والوں نے تو ولیوں نبیوں کو بھی نہیں چھوڑا۔اس لئے اُس وقت یعنی جنگ عظیم دوم کے بعد انگلستان ٹوٹ پھوٹ چکا تھا اور انگریز اس بات کے متحمل نہیں تھے کہ وہ انڈیا جیسے ملک پر اپنا اقتدار قائم رکھتے۔اور ان سے آزادی کی تحریکیں خصوصاً برصغیر پاک و ہند میں جنگ سے بہت پہلے کی شروع ہو چکی تھیں۔میرے محترم قاری اپنے کمرے میں بیٹھے کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے اس ماحول کے منظر کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اتنی بڑی تحریک کو جھوٹ کہہ رہے ہیں۔اس تحریک کا لیڈر تو ایک تھا مگر کروڑہا لوگوں کا قافلہ جس میں ہماری بہو بیٹیاں اور بیٹے شامل تھے جنہوں نے اس تحریک میں اپنے سرخ رنگ کے اُبلتے خون کا نذرانہ دیا، اپنے نیندیں، اپنے روز و شب، اپنی زندگیاں اور اپنا سب کچھ حاضر کر دیا۔ کچے، ٹوٹے، مٹی کے گھروں میں رہنے والوں نے اس تحریک کو زندہ رکھا اور ایک قائد کے لئے قربان ہوئے، سکھوں نے بھی اور ہندوؤں نے بھی اس آزادی میں قربانیاں دیں مگر جب انگریزوں نے جانا تھا تو آگے دو راستے تھے ایک مسلمانوں کا اور دوسرا ھندوؤں کا۔دو قومیتوں کے راستے جدا تھے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ ایک طرف گاندھی نہرو کی منافقت اور جھوٹ تھا اور دوسری طرف جناح کی سچائی تھی صداقت تھی۔ یہ ملک، ملکِ پاکستان جھوٹ سے حاصل نہیں ہوا یہ سچ، صداقت، اور قربانیوں سے حاصل ہوا ہے۔ یہ کہنا کہ وہ اردو، گجراتی یا کوئی علاقائی زبان ٹھیک سے بول نہیں سکتے تھے یا انہوں نے نمازیں نہیں پڑھیں یہ پڑھ کر افسوس ہوا کہ اس میں سماجی اور مذہبی نفرت کی بُو سی آ رہی ہے۔ اس بات میں تو مصنف کی بات بجا ہے اور میں سراہتا ہوں کہ انہوں نے مذہب کی بجائے انسانیت کو اپنایا وہ سیکولرازم کو ہی مانتے تھے۔اور اپنی حکومت میں دوسرے مذہب کے لوگوں کو بھی شامل کیا۔انکے نزدیک ہر کلمہ گو مسلمان تھا اس لئے شیعہ سنی احمدی کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔انکا پہلا کمانڈر ان چیف عیسائی تھا اور وزیر قانون ہندو تھا۔انکے قریبی ساتھیوں میں ہر قومیت اور ہر فرقہ کے لوگ شامل تھے اس لئے اس کی تو بحث بھی نہیں ہونی چاہیے۔

جب وہ پہلی دفعہ دوسرے رہنماؤں سے دلبرداشتہ ہو کر انگلستان واپس چلے گئے اور وکالت کرنے لگ گئے اور سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی تو اس وقت احمدیہ جماعت کے سربراہ نے اپنی گہری نظر سے انڈیا کی سیاسیات پر غور کیا اور اس ہی نتیجہ پر پہنچے کہ محمد علی جناح کو واپس بلایا جائے کہ وہ واحد انسان ہیں جو رہنمائی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔پھر انکی لگاتار کوششوں سے جناح واپس تشریف لائے اور سارے مسلمانانِ ہند کو اکٹھا کیا پھر ہمارے بزرگ اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ایک خون کا دریا تھا جس کو عبور کر کے یہ ملک حاصل کیا۔اس کو کوئی تاریخ دان جھٹلا نہیں سکتا۔اب آخری بات کہ 1971 میں پاکستان ختم ہو گیا ہے۔ جی نہیں۔ہاں انڈیا جیت گیا کہ وہ آپ جیسے باعلم، تاریخ پر دسترس رکھنے والوں کو بھی اپنے مودی بردار ہندو قافلہ میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔جی ہاں بنگلہ دیش بن گیا۔انڈیا کی کوششوں سے اور مغربی پاکستان کے لیڈروں کی ناعاقبت اندیش حرکتوں کی وجہ سے۔میں وثوق سے کہتا ہوں کہ: قائداعظم ایک سچے انسان تھے۔پاکستان ایک فطری ریاست ہے جس میں ہر فرقہ کے لوگوں، ہر مذہب کے ماننے والوں، ہر تمدن کے لوگوں اور بلا امتیاز رنگ و نسل اور جنس کے لوگوں کو برابری کی بنیاد پر رہنے

کا حق تھا۔ یہ ہی وہ اساس تھی جس پر یہ ملک بنا (بعد میں کیا ہوا ایک علیحدہ بحث ہے)۔ یقیناً'' ھندو اور مسلمان دو علیحدہ قومیتیں ہیں۔ ہندو اس ملک میں اسی حق سے رہ سکتے ہیں جیسے کہ مسلمان۔ بلاتفریق کے۔

* ۔انکی ذات پر الزام دینے سے پہلے ذرا اپنی گردن دائیں بائیں گھمایئے اور پھر دوبارہ لکھنے کی کوشش کریں آپ جناح صاحب کی کردار کشی نہیں کرسکیں گے۔

* ۔آپ کا یہ لکھنا بھی غلط ہے کہ انہوں نے ٹیکنیکل بنیاد پر مقدمہ جیت لیا اور جھوٹ کی بنیاد پر پاکستان حاصل کرلیا۔ میرے بھائی وہ کوئی قتل کا مقدمہ تھا جو جیت کر آئے تھے۔ ان کے ساتھ کروڑوں لوگ تھے۔ جن میں ہر طبقہ کے لوگ تھے۔ بنگالی بھی تھے۔ قبائلی سردار بھی تھے۔ غریب لوگ بھی تھے، نواب، اُمراء بھی ساتھ تھے۔ کیا وہ کروڑوں لوگ اُلو کے پٹھے تھے جو ایک ٹیکنیکل مقدمہ کو جیتتا دیکھ کر ساتھ چل پڑے تھے۔ مہاجر تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ خون کا دریا عبور کر کے آئے تھے۔ کیا آپ اس سارے دور کو جھوٹ کہتے ہیں۔

* ۔قرارداد مقاصد کا معاملہ غلط ہوسکتا ہے اس کا نقصان ہوا مگر وہ ایک صحیفہ تو نہیں تھا نا۔ ختم ہوسکتا تھا مگر بدقسمتی اس قوم کی۔ غلامی سے آزاد کرا کے تو وہ عظیم انسان تو لحد میں اُتر گیا مگر یہ قوم تو بنی اسرائیل کی قوم کی طرح اس غلامانہ ذہنیت کو بدل نہ سکی۔ اور اس کی سزا اس قوم کو ملی اور آگے بھی ملے گی۔

* ۔جب تک یہ قوم شرابیوں اور دلالوں کو اپنے علماء ماننا نہیں چھوڑے گی۔

* ۔جب تک لٹیروں چوروں اور دغابازوں کو مارنہیں بھگائے گی۔

* ۔تب تک یہ ہی ہوگا۔ اور یقیناً اس قوم کو خدا ختم کر کے نئی قوم لے آئے گا۔

* ۔پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ نئی قوم پوچھے گی کہ یہاں کہیں لاھور ہو کرتا تھا۔ خدا کی تقدیر اپنی ہوا چلاتی ہے تو منظر بدل جایا کرتے ہیں۔ آپ اپنے سوچ کے زاویوں کو درست کریں۔ دیکھیں پھر تقدیر الٰہی کا کرشمہ۔

––*

غزل

آیتیں سچ ہیں مگر تُو نہیں سچّا مُلّا
تیری تشریح غلط ہے، مِرا قُرآن نہیں
دین کو باپ کی جاگیر سمجھنے والے
تجھ سوا اور یہاں کوئی مسلمان نہیں ؟؟؟

_

تُو کوئی آج کا دشمن ہے ؟؟ بتاتا ہوں تجھے
تیری تاریخ ابھی یاد دلاتا ہوں تجھے
کون تھے مسجدِ ضرّار بنانے والے ؟؟
تہمتیں خاتمِ مُرسل پہ لگانے والے ؟
آستینوں میں بُتوں کو وہ چُھپانے والے ؟
یاد آیا تجھے ؟؟ او ظلم کے ڈھانے والے

_

لاکھ فتنے تری پُر فتنہ زباں سے اُٹھے
تُو اُدھر چیخا، اِدھر لاشے یہاں سے اُٹھے
تُو جہاں پیر دھرے، امن وہاں سے بھاگے
دوزخی دھول ترے زورِ بیاں سے اُٹھے
بھیس مسلم کا زباں کوفی و شامی تیری
داعشی فکر سے ہے روح جذامی تیری

_

تُو نے قُرآن پڑھا ؟؟ پڑھ کے گنوایا تُو نے
درس میں بچّوں کو بارود پڑھایا تُو نے
رمزِ سجدہ کو سیاست سے مِلایا تُو نے
لوگ دشمن کے لئے سوچ نہیں سکتے جسے
کارِ بد بخت وہ بچّوں سے کرایا تُو نے

_

آج دنیا کو جو مسلم کا بھروسہ کوئی نہیں
اِس اذیّت کا سبب تیرے علاوہ کوئی نہیں
تری تفسیرِ غلط فکر نے وہ زخم دیئے
جن کا برسوں تو کُجا، صدیوں مداوا کوئی نہیں

_

ھُوک اُٹھتی ہے تو سینے کی طرف دیکھتا ھوں
بار بار آج مدینے کی طرف دیکھتا ھوں
دیکھتا ھوں کہ مِرا گنبدِ خضریٰ والا
میرا آقا مِرا مولا مِرا شاہِ اعلیٰ
شافعِ روزِ جزا، عرضِ گدا سنتا ہے
جس کے ہونے سے یقیں ہے کہ خدا سنتا ہے
رات ہے ؟؟ رات ہمیشہ تو نہیں رہتی ہے . . . !!!

لیبیا کے ''ظالم ڈکٹیٹر'' معمر قذافی کے عوام پر ڈھائے جانے والے ''مظالم'' کی تفصیل۔!!!

رجل خوشاب

*۔لیبیا میں بجلی مفت ہے، پورے لیبیا میں کہیں بجلی کا بل نہیں بھیجا جاتا تھا۔

*۔سود پر قرض نہیں دیا جاتا، تمام بینک ریاست کی ملکیت تھے اور صفر فیصد سود پر شہریوں کو قرض کی سہولت دیتے تھے۔

*۔اپنا گھر لیبیا میں انسان کا بنیادی حق سمجھا جاتا تھا اور اس کے لئے حکومت شہریوں کو مکمل مالی مدد فراہم کرتی تھی۔

*۔تمام نئے شادی شدہ جوڑوں کو اپنا نیا گھر بنانے کی مد میں حکومت پچاس ہزار ڈالر زمفت میں فراہم کرتی تھی۔

*۔پڑھائی اور علاج کی سہولتیں لیبیا کے تمام شہریوں کو بنا پیسوں کے حاصل ہیں۔قذافی سے پہلے 25 فیصد لوگ پڑھے لکھے تھے جبکہ آج 83 فیصد لوگ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہیں۔

*۔کسانوں کو زرعی آلات، بیج اور زرعی زمین مفت میں فراہم کی جاتی تھی۔۷۔اگر کسی باشندے کو لیبیا میں علاج معالجے یا تعلیم کی صحیح سہولت میسر نہیں تو حکومت بنا کسی خرچے کے بیرون ملک بھجواتی تھی۔

*۔لیبا میں اگر کوئی شخص اپنی گاڑی خریدنا چاہتا ہے تو حکومت 50 فیصد سبسڈی فراہم کرتی تھی۔

*۔پیٹرول کی قیمت $0.14 فی لیٹر تھی۔

*۔لیبیا پر کوئی بیرونی قرضہ نہیں اور لیبیا کے اثاثوں کی کل مالیت تقریبا $150 ارب ڈالر سے زائد تھے، جن پر اب مغربی ممالک کا قبضہ ہے۔

*۔اگر کوئی باشندہ گریجوایشن کرنے کے بعد بھی نوکری حاصل نہیں کر پارہا تو حکومت اسے اسکی تعلیمی استعداد کے مطابق مفت تنخواہ ادا کرتی تھی تاوقت کہ اس باشندے کی ملازمت لگ جائے۔

*۔ملک کے تیل سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک مخصوص حصہ تمام لیبیائی باشندوں کے بینک اکاؤنٹوں میں جمع کروادیا جاتا تھا۔

*۔ماں کو ہر بچے کی پیدائش پر حکومت کی طرف سے $5000 ڈالر مفت فراہم کئے جاتے تھے۔

*۔قذافی نے ملک کی صحرائی آبادی کے پیش نظر دنیا کا سب سے بڑا مصنوعی دریا بنانے کا پروجیکٹ بھی شروع کیا تھا، تاکہ پورے ملک میں صاف پانی کی فراہمی یقینی بنائی جاسکے۔یہ ان مظالم میں سے کچھ کی تفصیل ہے جو قذافی نامی ڈکٹیٹر نے لیبیا کی عوام پر ڈھائے۔ان مظالم کے علاوہ قذافی نے تین بہت بڑے گناہ اور بھی کئے تھے۔پہلا کہ پاکستان کو ایٹمی پروگرام کے لیے 100 ملین ڈالر کی رقم اس وقت فراہم کی جب پاکستان پر ہر طرح کی پابندیاں تھیں۔اسی رقم سے پاکستان نے اپنا ایٹمی پروگرام شروع کیا تھا۔دوسرا اس نے ہمیشہ مسلمان ممالک کو اکٹھا کر کے انکا ایک بلاک بنانے کی کوشش کی۔کبھی افریقی ممالک کا بلاک کبھی عرب ممالک کا۔لیکن ہمارے مسلمان ممالک قذافی کی اس ''چال'' میں نہیں آئے اور آپس میں ہی لڑنے مرنے پر متفق رہے۔تیسری چیز میں تو اسنے حد ہی کردی جب اس نے سونے اور چاندی کے سکوں میں لین دین کرنے کا فیصلہ کیا اور اعلان کیا کہ پیپر کرنسی جعلی کرنسی ہے۔ان کے ان کرتوتوں کی بدولت ہی امریکہ نے قذافی کو قتل کروادیا تاکہ لیبیا کے عوام کو ایک ظالم ڈکٹیٹر سے نجات دلائی جاسکے۔اب لیبیا میں مکمل جمہوریت آچکی اور لیبیا جمہوریت کے مزے لے رہا ہے!!

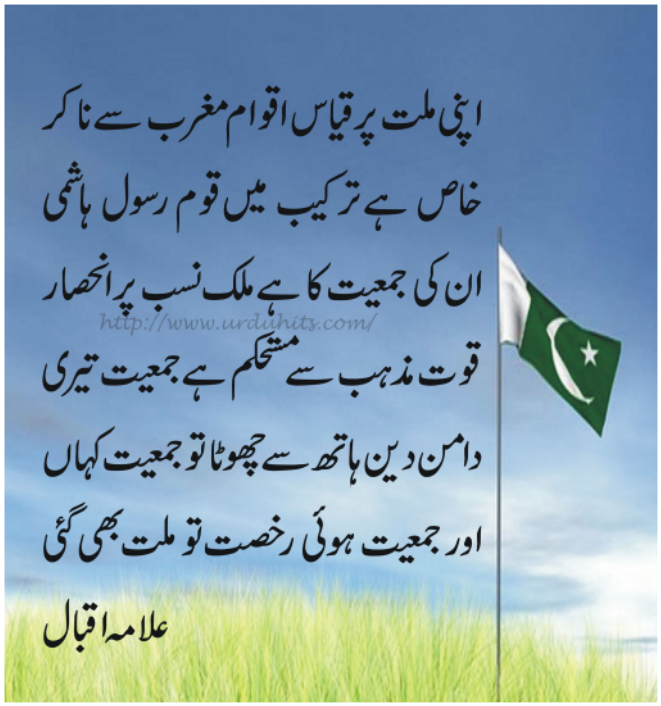

عظیم لوگوں کا احساسِ گناہ اور اس کا ازالہ

اے آر راجپوت

ایک نیک شخص کے گھر کی دیوار اچانک گر گئی۔ اسے بڑی پریشانی لاحق ہوئی اور وہ اسے دوبارہ بنوانے کے لئے کسی مزدور کی تلاش میں گھر سے نکلا اور چوراہے پر جا پہنچا۔ وہاں اس نے مختلف مزدوروں کو دیکھا جو کام کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ ان میں ایک نوجوان بھی تھا جو سب سے الگ تھلگ کھڑا تھا، اس کے ایک ہاتھ میں تھیلا اور دوسرے ہاتھ میں تیشہ تھا۔ اس شخص کا کہنا ہے کہ ''میں نے اس نوجوان سے پوچھا'' کیا تم مزدوری کرو گے؟ نوجوان نے جواب دیا ''ہاں!'' میں نے کہا ''گارے کا کام کرنا ہوگا۔'' نوجوان کہنے لگا، ٹھیک ہے! لیکن میری تین شرطیں ہیں اگر تمہیں منظور ہوں تو میں کام کرنے کے لئے تیار ہوں، پہلی شرط یہ ہے کہ تم میری مزدوری پوری ادا کرو گے ، دوسری شرط یہ ہے کہ مجھ سے میری طاقت اور صحت کے مطابق کام لو گے اور تیسری شرط یہ ہے کہ نماز کے وقت مجھے نماز ادا کرنے سے نہیں روکو گے۔

''میں نے یہ تینوں شرطیں قبول کر لیں اور اسے ساتھ لے کر گھر آ گیا، جہاں میں نے اسے کام بتایا اور کسی ضروری کام سے باہر چلا گیا۔ جب میں شام کے وقت واپس آیا تو دیکھا کہ اس نے عام مزدوروں سے دوگنا کام کیا تھا۔ میں نے بخوشی اس کی اجرت ادا کی اور وہ چلا گیا۔ دوسرے دن میں اس نوجوان کی تلاش میں دوبارہ اس چوراہے پر گیا لیکن وہ مجھے نظر نہیں آیا۔ میں نے دوسرے مزدوروں سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ ہفتے میں صرف ایک دن مزدوری کرتا ہے۔ یہ سن کر میں سمجھ گیا کہ وہ عام مزدور نہیں بلکہ کوئی بڑا آدمی ہے۔ میں نے ان سے اس کا پتا معلوم کیا اور اس جگہ پہنچا تو دیکھا کہ وہ نوجوان زمین پر لیٹا ہوا تھا اور اسے سخت بخار تھا۔ میں نے اس سے کہا، ''میرے بھائی! تو یہاں اجنبی ہے، تنہا ہے اور پھر بیمار بھی ہے ، اگر پسند کرو تو میرے ساتھ میرے گھر چلو اور مجھے اپنی خدمت کا موقع دو۔'' اس نے انکار کر دیا لیکن میرے مسلسل اصرار پر مان گیا لیکن ایک شرط رکھی کہ وہ مجھ سے کھانے کی کوئی شے نہیں لے گا، میں نے اس کی یہ شرط منظور کر لی اور اسے اپنے گھر لے آیا۔ وہ تین دن میرے گھر قیام پذیر رہا لیکن اس نے نہ تو کسی چیز کا مطالبہ کیا اور نہ ہی کوئی چیز لے کر کھائی۔ چوتھے روز اس کے بخار میں شدت آ گئی تو اس نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہنے لگا، ''میرے بھائی ! لگتا ہے کہ اب میرا آخری وقت قریب آ گیا ہے لہذا جب میں مر جاؤں تو میری اس وصیت پر عمل کرنا کہ، ''جب میری روح جسم سے نکل جائے تو میرے گلے میں رسی ڈالنا اور گھسیٹتے ہوئے باہر لے جانا اور اپنے گھر کے اردگرد چکر لگوانا اور یہ صدا دینا کہ لوگو! دیکھ لو اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والوں کا یہ حشر ہوتا ہے۔'' شاید اس طرح میرا رب عزوجل مجھے معاف کر دے۔ جب تم مجھے غسل دے چکو تو مجھے انہی کپڑوں میں دفن کر دینا پھر بغداد میں خلیفہ ہارون رشید کے پاس جانا اور یہ قرآن مجید اور انگوٹھی انہیں دینا اور میرا یہ پیغام بھی دینا کہ، ''اللہ عزوجل سے ڈرو! کہیں ایسا نہ ہو کہ غفلت اور نشے کی حالت میں موت آ جائے اور بعد میں پچھتانا پڑے، لیکن پھر اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔'' وہ نوجوان مجھے یہ وصیت کرنے کے بعد انتقال کر گیا۔

میں اس کی موت کے بعد کافی دیر تک آنسو بہاتا رہا اور غمزدہ رہا۔ پھر (نہ چاہتے ہوئے بھی) میں نے اس کی وصیت پوری کرنے کے لئے ایک رسی لی اور اس کی گردن میں ڈالنے کا قصد کیا تو کمرے کے ایک کونے سے ندا آئی کہ، ''اس کے گلے میں رسی مت ڈالنا، کیا اللہ عزوجل کے اولیاء سے ایسا سلوک کیا جاتا ہے؟'' یہ آواز سن کر میرے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی۔ یہ سننے کے بعد میں نے اس کے پاؤں کو بوسہ دیا اور اس کے کفن ودفن کا انتظام کرنے چلا گیا۔ اس کی تدفین سے فارغ ہونے کے بعد میں اس کا قرآن پاک اور انگوٹھی لے کر خلیفہ کے محل کی جانب روانہ ہو گیا۔ وہاں جا کر میں نے اس نوجوان کا واقعہ ایک کاغذ پر لکھا اور محل کے داروغہ سے اس سلسلے میں بات کرنا چاہی تو اس نے مجھے جھڑک دیا اور اندر جانے کی اجازت دینے کی بجائے اپنے پاس بٹھا لیا۔ آخرِ کار! خلیفہ نے مجھے اپنے دربار میں طلب کیا اور کہنے لگا، کیا میں اتنا ظالم ہوں کہ مجھ سے براہ راست بات کرنے کی بجائے رقعے کا سہارا لیا؟ میں نے عرض کی، ''اللہ تعالیٰ آپ کا اقبال بلند کرے، میں کسی ظلم کی فریاد لے کر نہیں آیا بلکہ ایک پیغام لے کر حاضر ہوا ہوں۔'' خلیفہ نے اس پیغام کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے وہ قرآن مجید اور انگوٹھی نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔ خلیفہ نے ان چیزوں کو دیکھتے ہی کہا ،

''یہ چیزیں تجھے کس نے دی ہیں؟'' میں نے عرض کی ''ایک گارا بنانے والے مزدور نے...'' خلیفہ نے ان الفاظ کو تین بار دہرایا، ''گارا بنانے والا، گارا بنانے والا، گارا بنانے والا...'' اور رو پڑا۔ کافی دیر رونے کے بعد مجھ سے پوچھا، ''وہ گارا بنانے والا اب کہاں ہے؟'' میں نے جواب دیا، ''وہ مزدور فوت ہو چکا ہے۔'' یہ سن کر خلیفہ بے ہوش ہو کر گر گیا اور عصر تک بے ہوش رہا۔ میں اس دوران حیران و پریشان وہیں موجود رہا۔ پھر جب خلیفہ کو کچھ افاقہ ہوا تو مجھ سے دریافت کیا، ''اس کی وفات کے وقت تم اس کے پاس تھے؟'' میں نے اثبات میں سر ہلا دیا تو کہنے لگا، ''اس نے تجھے کوئی وصیت بھی کی تھی؟'' میں نے اسے نوجوان کی وصیت بتائی اور وہ پیغام بھی دے دیا جو اس نوجوان نے خلیفہ کے لئے چھوڑا تھا۔

جب خلیفہ نے یہ ساری باتیں سنیں تو مزید غمگین ہو گیا اور اپنے سر سے عمامہ اتار دیا، اپنے کپڑے چاک کر ڈالے اور کہنے لگا، ''اے مجھے نصیحت کرنے والے! اے میرے زاہد و پارسا! اے میرے شفیق!...'' اس طرح کے بہت سے القابات خلیفہ نے اس مرنے والے نوجوان کو دئے اور مسلسل آنسو بھی بہاتا رہا۔ یہ سارا معاملہ دیکھ کر میری حیرانی اور پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا کہ خلیفہ ایک عام سے مزدور کے لئے اس قدر غم زدہ کیوں ہے؟ جب رات ہوئی تو خلیفہ نے مجھ سے اس کی قبر پر لے جانے کی خواہش ظاہر کی تو میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ خلیفہ چادر میں منہ چھپائے میرے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ جب ہم قبرستان میں پہنچے تو میں نے ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا، ''عالی جاہ! یہ اس نوجوان کی قبر ہے۔'' خلیفہ اس کی قبر سے لپٹ کر رونے لگا۔ پھر کچھ دیر رونے کے بعد اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو گیا اور مجھ سے کہنے لگا، ''یہ نوجوان میرا بیٹا تھا، میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرے جگر کا ٹکڑا تھا، ایک دن یہ رقص و سُرود کی محفل میں گم تھا کہ مکتب میں کسی بچے نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی اَلَم یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ۔

ترجمہ کنز الایمان: کیا ایمان والوں کو ابھی وہ وقت نہ آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد (کے لئے)۔ (پ 27، الحدید: 16)

جب اس نے یہ آیت سنی تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور یہ پکار پکار کر کہنے لگا، ''کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟'' اور یہ کہتے ہوئے محل کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس دن سے ہمیں اس کے بارے میں کوئی خبر نہ ملی یہاں تک کہ آج تم نے اس کی وفات کی خبر دی۔'' (حکایات الصالحین، ص 67)

غزل۔ (دانش عزیز)

اجازت ہے؟ سجا لوں محفلِ یاراں ! اجازت ہے ؟
مٹا لوں میں اگر ساقی غمِ جاناں اجازت ہے ؟
حسیں زلفیں پریشاں ہیں اجازت ہو تو سلجھا دوں ؟
وہ جھجکے مسکرائے پھر کہا ! ہاں ہاں ! اجازت ہے
چلو سب مے کشو ! آؤ ! اسی کے شہر چلتے ہیں
وہاں اس کی حکومت ہے ,سنا ہے ,واں اجازت ہے
فقط اک بار ہمت کی کہا ! پلو پکڑ لوں میں ؟
وہ اِترائے وہ شرمائے کہا ! کیا یاں اجازت ہے ؟
تمہیں اب سب اجازت ہے جو جی چاہے وہ کر لو تم
تمہیں آزاد کرتے ہیں دلِ ناداں اجازت ہے
محبت میں مجھے سب کچھ نچھاور کر کے جانا ہے
میں حاضر ہوں مجھے کر دو تہی داماں اجازت ہے!
تری شوریدگی تجھ کو یہاں رہنے کہاں دے گی
چلا جا ! ریگزاروں میں اٹھا ساماں ! اجازت ہے!
محبت ہے محبت ہے محبت ہے محبت ہے
کتابِ زندگی کو دوں میں یہ عنواں اجازت ہے ؟
سنا ہے کہ محبت نے تمہیں یکسر بدل ڈالا ؟
جو جی چاہے وہ کرتے ہو تمہیں چنداں اجازت ہے؟
عجب الجھن رہی دانش! اگرچہ ساتھ تھے دونوں
چلو اچھا! نہیں چھوڑو! ارے! ناں ناں! اجازت ہے؟

میں پاکستان ہوں

رانا عبدالرزاق خان

وطن عزیز کے باسیو! میں پاکستان ہوں۔ میں تمہارا جنت نظیر پیارا وطن ہوں۔ میں اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ ہوں تم سب میری پناہ میں ہو! آزاد اور خود مختار ہو!۔ میں حضرت قائد اعظمؒ کے خوابوں کا جزیرہ ہوں۔ میں شمع آزادی کے لاکھوں پروانوں کی قربانیوں کا ثمر ہوں۔ میں بیسویں صدی کا معجزہ ہوں۔ میری بنیاد دوقومی نظریہ پر رکھی گئی تھی۔ میں داغ ہجرت کی تفسیر ہوں۔

آج سے تقریباً 72 سال پہلے کی بات ہے کہ آج ہی کے دن لاہور میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔ جس میں برّصغیر پاک و ہند کے نامور مسلم قائدین شامل تھے۔ اسی جلاس میں ایک قرارداد پیش کی گئی۔ جسے میرے نام سے منسوب کیا گیا۔ یعنی قرارداد پاکستان۔ اگرچہ مجھے بنانے کا مشورہ تو پہلے ہی کافی عرصے سے چل رہا تھا۔ مگر اب 23/مارچ 1940ء کو مجھے بنانے کا پکا ارادہ کرلیا گیا تھا۔ مارچ 1940ء کو جب مسلمانان ہند قائداعظم کی قیادت میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے تو انہوں نے بادشاہی مسجد کے فلک بوس میناروں اور راوی کے سرسبز و شاداب کناروں کو گواہ بنا کر قرارداد لاہور پیش کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی غیر ملکی حکمرانوں کے ایوانوں پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

میرا نام ''پاکستان'' میرے ایک سپوت بیرسٹر چودھری رحمت علی نے رکھا۔ قائداعظم اور اسکے رفقائے کار مسلم لیگیوں نے اس خاکے میں رنگ بھرے۔ لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، سر ظفر اللہ خان، فاطمہ جناح آگے آئے۔ یہ لوگ میرے خدمت گار تھے۔ انہوں نے میرا نام روشن کیا، میرا وقار بلند کیا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ میری تحریک کے قائد تھے۔ انہوں نے قرارداد منظور ہونے کے بعد مجھے بنانے کے لئے انتھک محنت شروع کردی۔ اور برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر تقریباً سات سال کے عرصے میں مجھے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ میرے بانی قائداعظم محمد علی جناحؒ ایک بہادر انسان تھے۔ وہ ایک مضبوط کردار کے مالک تھے۔ وہ اٹل، مستقل مزاج اور اصول پسند تھے۔ ان کی گفتگو مدلل اور سحر انگیز ہوتی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ ذہین پارلیمانی شخصیت ایک ہوشیار نقاد اور بے لوث سیاستدان تھے۔

ان کا بے مثال جذبہ حُریت اور شبانہ روز محنت ہی وہ سرمایہ تھا جس نے میرے جیسا (پاکستان) زندہ معجزہ دکھا دیا۔ جسے دیکھ کر ساری دنیا حیران و ششدر رہ گئی۔ ان کی شخصیت غیر معمولی صفات کی حامل تھی۔ وہ مسلمانان ہند کے سیاسی مسیحا تھے۔ ان کی ساری زندگی پر آج تک کسی نے انگلی نہیں اٹھائی۔ غیر کیا مخالف اور دشمن بھی ان کے کردار کے معترف تھے۔ وہ قائد جنہوں نے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اپنی ذہانت سے مجھے حاصل کیا۔ میں پانچ صوبوں پر مشتمل تھا۔ پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور بنگال جسے مشرقی پاکستان بھی کہتے تھے۔ میرے اپنے بھی میرے قیام پر خوش نہ تھے۔ قائداعظم کو کافر اعظم کہنے والے علماء سُو نے مجھے پلیدستان، اور ناپاکستان کے نام سے پکارا۔ اور نام نہاد فتووں سے میرے اور اسلام کے تشخص کو بگاڑنے کی بھرپور کوشش کی۔ سوائے ایک (جماعت) کے کسی بھی مذہبی جماعت نے من حیث الجماعت میری تائید نہ کی۔ علمائے سُو نے گاندھی اور نہرو کی خوب مدح سرائی کی۔ مجھے قسم ہے اگر میں جھوٹ بولوں۔ تاریخ آزادی کا مطالعہ کرکے دیکھ لو۔ انہی کھوٹے سکّوں نے بالآخر مجھے بدنام کرکے رکھ دیا۔ ہاں انفرادی حیثیت میں مسلمانوں نے میری تعمیر میں خوب حصہ لیا۔ میرے لئے لاکھوں انسانوں نے دنیا کی عظیم ترین ہجرت کی صعوبتیں برداشت کیں۔ نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ آگ اور خون کے دریا عبور کئے۔ میرے بیٹے سروں پر کفن باندھ کر باطل قوتوں سے ٹکراتے رہے۔ انہوں نے سر دھڑ کی بازیاں لگا کر یوں شمع آزادی کو روشن رکھا اسی جدو جہد میں لاکھوں دُلہنوں کے سہاگ لُٹے، ماؤں کے لال قتل ہوئے، بہنوں کے بھائی مارے گئے۔ لاکھوں بچے یتیم ہوئے یہ درست ہے کہ غلامی کی اندھیری رات میں جشن چراغاں منانے کے لئے خون شہادت کے چراغ جلانے پڑتے ہیں۔ نوع انسانی کے اُجڑے ہوئے گلستانوں میں خون کی ندیاں بہائے بغیر بہاروں کا سماں پیدا نہیں ہوسکتا۔ قیمتی جانوں کی قربانیاں اور خاندانوں کی بربادیاں میری آزادی کے لئے خشت اول ثابت ہوئیں تب یہ آزادی ملی۔ مگر میرا وجود مسلسل غیر محفوظ رہا۔ میرے سر پر خطرات کے بادل منڈلاتے رہے۔ مجھے ہمہ وقت چیلنج

درپیش رہے۔قائداعظمؒ نے جن خطرات کی نشاندہی مارچ ۱۹۴۶ء میں کی تھی۔وہی بالآخر ہماری تباہی اور قومی انتشار،تفریق کا باعث بنی۔انہوں نے دکھ بھرے لہجے میں انتباہ کیا تھا۔''وہ دشمن قوتیں جو قیام پاکستان کے خلاف تھیں اپنی ناکامی کے بعد قوم کو تقسیم کرنے کے درپے ہیں۔ان کے جھانسے میں نہ آنا۔انہوں نے مزید انکشاف کیا تھا کہ بعض شر پسند عناصر دشمنوں سے پیسے لے کر انتشار پھیلا رہے ہیں۔

جو طبقہ منحنی سوچ کا علمدار تھا۔اس نے مجھے دل سے آج تک تسلیم نہیں کیا۔بلکہ نہرو،گاندھی اور سرحدی گاندھی کے رویے طرح میرے وجود سے اب تک انکاری ہیں۔اپنی مرضیاں مجھ پر مسلط کرنے کے درپے رہے۔گروہی،لسانی،مذہبی سیاست کو فروغ دیا۔اور اقتداری طاقتوں کے درباری بن کر اپنے مقاصد پورے کرتے رہے۔ماشل لاء آیا تو اسے سلام کیا اگر جمہوریت آئی تو اسے بھی سلام کر کے مفاد پرست ٹولے نے مطلب براری کو پورا کیا۔بعض جبہ پوش نام نہاد علماء سُو جیسے میرے نام پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ان اسلام کے ٹھیکیداروں نے مساجد کو اپنا بزنس بنالیا۔اور اسلام کے نام پر مدرسہ جات کھول کر ایک متشدد دین کی فوج ظفر موج تیار کر لی۔مالی امداد سعودیہ سے حاصل کی (جن وہابیوں کو یہ کتا گردانتے تھے۔نعوذ باللہ)ان کی امدادی رقوم کو اسی گروہ نے شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کرلیا۔اور لگے انکل سام کے سپاہی بن کر روسی یلغار کو جہاد اسلام سمجھ کر روکنے لگے۔اور پھر اس وقت کے نام نہاد مرد مومن نے ہیروین کلچر،کلاشنکوف کلچر کو خوب پروان چڑھایا۔اور اس کے علاوہ شیعہ سنی فساد کو پھیلا کر خون کے دریا بہائے۔خود تو صاحب انجام بد کو پہنچے مگر مجھے بھی ایک مسلسل نہ ختم ہونے والی آگ میں دھکیل گئے۔مجھ پر جنگیں مسلط کی گئیں۔1965ء کی جنگ جیت کر مذاکرات کے میز پر ہار دی گئی۔میجر جنرل اختر علی ملک کو دوران جنگ تبدیل کر دیا گیا تاکہ جیتی ہوئی جنگ کا سہرا شرابی یحییٰ خان کے سر پر سجایا جاسکے۔بعد ازاں اگرتلہ سازش کیس کے ذریعہ بنگلہ دیش کی بنیاد رکھی گئی۔

دونوں پاکستان جو بھائی بھائی تھے۔ان میں تفرقہ ڈال کر ہندو اور ہندو نواز ٹولے نے آمریت کے سائے میں بنگالی بھائیوں کے قومی اور انسانی حقوق غصب کرنے کی مسلسل کوششیں کیں۔نام نہاد الشمس اور البدر کے خدائی فوجداروں نے تشدد کو فروغ دیا۔اور جو کینہ ور تقسیم ہند سے اس دو قومی نظریہ کے جانی دشمن تھے۔ان کو موقع مل گیا۔لسانی اور مذہبی سیاست کا ڈھنڈورا پیٹا گیا اور یحییٰ خان کو مرد کامل قرار دینے والوں کی بات بن گئی۔پھر ہوس اقتدار کے دیوانے آئے۔جنہوں نے جیتی ہوئی پارٹی کو حکومت بنانے کی دعوت دینے کی بجائے اُدھر تم ادھر ہم کا نعرہ لگایا۔انتہائی بُرا وقت اُس وقت دیکھنے کو ملا جب میرا ایک بازو مجھ سے الگ کر دیا گیا۔میرے اندرونی اور بیرونی دشمن بالآخر 1971ء میں مجھے دوتن کرنے میں کامیاب ہوئے نام نہاد قائد عوام نے لوگوں کو خوب بے وقوف بنایا۔طلباء کو اساتذہ سے لڑایا۔ہاری کو زمیندار سے لڑا دیا۔مزدور کارخانہ دار کے گلے پڑ گیا۔اس طرح سب نظام چوپٹ ہو گیا۔روٹی کپڑے اور مکان کا ایسا پرکشش نعرہ دیا کہ اسے تو ووٹ ملے مگر عوام کو کچھ نہ ملا۔پھر اس نے اسلام کو استعمال کیا۔اسلامی ممالک سے دولت ہتھیانے کی غرض سے اسلامی کانفرنس کا ڈھونگ رچایا۔کہ اسلامی یکجہتی کا مظاہرہ کرنے کی خاطر خود مفتی دین متین بن بیٹھا۔ایک کلمہ گو فرقہ کو اپنی کرسی کے زور پر اسلام سے نکالنے کی ناکام کوشش کی۔اور خود اسلام سے نابلد اتنا تھا کہ جب اس پر اس کے ملک کے ہائی کورٹ میں اس پر مقدمہ چلا تو اسے نام کا مسلمان قرار دیا گیا۔پھر اسے سمجھ آئی اور اس نے جواب دعویٰ داخل کروایا کہ مذہب انسان اور خدا کا معاملہ ہے۔مذہبی طاقتوں کو اس کی بعض حرکات کہاں پسند تھیں۔قومی اتحاد نے مل کر ایک جنرل سے مارشل لاء لگوا دیا۔اور وہ بھی مرد مومن بننے کے چکر میں قادر مطلق بن بیٹھا۔اس نے قائد عوام کو پھانسی کے پھندے پر لٹکایا۔اور خود جہاد افغانستان کا مجاہد بن کر عالمی لیول پر اسلامی ملکوں کی نوجوان نسل کو جنت دلوانے کی خاطر روس کے خلاف جنگ میں جھونک دیا۔لالچ اور طمع نے اس کی آنکھیں بند کر دی تھیں۔پیپلز پارٹی کے کارکنوں کا جینا دوبھر کر دیا۔عورتوں تک کو کوڑے مارے گئے۔اور اسلامی شریعت نافذ کرنے کی کوشش میں سستی شہرت حاصل کرنے کی خاطر ایک کلمہ گو فرقہ پر اسلام دشمن پابندیاں لگا دی گئیں خود کلمہ گوؤں کو مسلمان کہنے پر اور اپنی مسجد کو مسجد کہنے پر،آپس میں سلام کہنے پر تین سال قید سنا دی گئی۔اور مزید یہ کہ توہین رسالت کا مرتکب قرار دے کر سزائے موت یا عمر قید کی سزا رکھ دی گئی۔خدائے قہار نے اسے بھی جلد ہی عذاب النار میں ڈالا۔اور وہ نظارہ کل عالم نے دیکھا۔بعد ازاں جمہوریت نے پر پُرزے نکالے جو کہ فوج اور بیوروکریسی کو راس نہ آئے۔فوج کہتی تھی کہ وہ اصل حاکم ہے۔اور جمہوریت کہتی کہ میں۔بیوروکریسی دونوں سے آگے تھی۔

میرے ہم وطنوں نے خوب غیر انسانی حرکات کر کے انسانیت کی دھجیاں اڑائیں اور ان کی خوب جگ ہنسائی ہوئی۔

میرے سیاسی اور مذہبی راہنماؤں میں سے ایک بھی قائد اعظم کے کردار کے مطابق نہیں۔کوئی بنیے کو سلام کر رہا ہے۔کوئی انکل سام کو۔کوئی اپنی انانیت کا شکار ہے۔کوئی عقل کل بن بیٹھا ہے۔اقبال کا شاہین تو کوئی نہ بن سکا مگر کووں کی صفات میں سب مشترک وعیاں ہیں۔اگر ایک قائد اعظم میری قوم کو خدا تعالی اور دے دیتا تو آج امریکہ اور یورپ کے لوگ میرے پاس نوکریوں کے لئے آتے۔ہاں یہ کیسے ممکن تھا۔میرے علماء واساتذہ مایوسی اور انگریز کی غلامی کا شکار رہے تھے۔انہوں نے وہی درس قوم کے جوانوں کو دیا۔بداخلاقی، چوری چکاری، کسی کا حق غصب کرنا، ظلم کرنا، کذب وافتراء سے دولت اکھٹی کرنے کے راستے بتائے۔جو لیڈر بڑا فراڈ کرے وہ سب سے زیادہ عزت دار گردانا جاتا ہے۔جو ناجائز طریقے سے دولت کے انبار جمع کرے وہ بہتر شہری، معزز مسلمان گردانا جاتا ہے۔جو عالم بے عمل واعظ کرتے ہوئے منہ سے جھاگ نکالتے ہوئے اپنے مخالف کو ناجائز لتاڑے اور بے ہودہ فتوے دے وہ قابل آفرین ہے نا کہ قابل نفرت۔جو اہل کار سب سے زیادہ رشوت لے وہ معزز کہلاتا ہے۔جو جج زیادہ بے انصافی کرے وہ بہتر منصف کہلاتا ہو اور جلد ہی بڑے کورٹ کا جج بن جاتا ہے۔جو گاؤں کا چودھری زیادہ ظالم اور زانی ہو وہ معزز کہلاتا ہے۔جو تھانیدار ہر شب کو رنگین بنائے وہ معزز کہلاتا ہے۔جو جاگیردار اپنی جیل رکھتا ہو اور لاکھوں لوگوں کا ان داتا ہو اور تھانے کچہری میں اس کی سفارش چلتی ہو وہ معزز ہے۔یہاں اسلام کا مفہوم ہی بدلا ہوا ہے۔اسلام عمل کرنے کے لئے نہیں ستعمال کرنے کے لئے ہے۔مطلب براری کے لئے ہے۔اسی لئے تو یہ ملک کوئی اور قائد اعظم پیدا نہ سکا۔کیونکہ پونجا جناح اور مٹھی بائی کردار کے لوگ اب اس معاشرے میں نہیں ہیں۔اگر ہیں بھی تو مطلب برار، بدقماش، چھچھورے، ابن الوقت، کذب بیان لوگوں کے نیچے دب گئے ہیں۔

میرے خلاف مسلسل سازشوں کے جال بُنے جاتے رہے۔میری جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کو پامال کیا جاتا رہا۔میں پڑوسیوں کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتا رہا۔خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب تک اپنے نام کے ساتھ زندہ ہوں۔میرے شیر دل میرے جاں نثار میرے نام پر جاں نثار ہوتے رہے۔ان شہیدوں کے خون سے میری صبح آزادی کی کرنیں پھوٹیں۔برسوں کی جدوجہد کے بعد میرا وجود عمل میں آیا۔پھر آمریت، وڈیرہ شاہی، جاگیرداری، دہشت گردی، ملائیت، لُولی لنگڑی سیاست، مذہبی، لسانی، گروہی سیاست، افراتفری، ہارس ٹریڈنگ، فلور کراسنگ، ہڑتال، تالہ بندی، لانگ مارچ، ٹرین مارچ اور گھیراؤ جلاؤ کے دور بھی دیکھے۔جنہوں نے میری ساکھ خراب کر دی۔بلکہ شکل بگاڑ دی۔ان کھوٹے سکوں نے اپنی من مانی کر کے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔یہ تو اسی طرح ہوا جیسے نادان بچوں کے ہاتھ میں قینچی دے دی جائے۔

وہ لوگ دیتے ہیں درس بیداری
جن کے اپنے ضمیر سوئے ہوئے ہیں

اب میں پھر تاریخ کے ایک نازک موڑ پر کھڑا ہوں۔میرا مستقبل خطرے میں ہے۔مجھے میرے اپنوں نے لہولہان کر دیا ہے اپنوں نے نفرتوں کی کھیتیاں کاشت کر کے میرا پیٹ بارود خانوں سے بھر دیا ہے۔فرقہ پرستی، کنبہ پروری اور نفسا نفسی کا عالم ہے ہر کسی نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہے۔بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ہر چیز ہر قسم کی ملاوٹ سے اپنی اصلیت کھو بیٹھی ہے۔دین و دنیا کے ساتھ ساتھ ہر رشتہ، خون، نسل، ایمان، جنت، دوزخ، خدا، رسول، قبلہ وکعبہ اور قرآن تک اس ملاوٹ سے محفوظ نہیں رہے۔ووٹ فروشی، وزارت فروشی، جسم فروشی، بردہ فروشی، ضمیر فروشی اور جنت فروشی، عزتفروشی، اولاد فروشی، دین فروشی، وطن فروشی نے میرے جسم پر قبضہ جمایا ہوا ہے۔مجھے خودغرض، انا پرست اور کلبی عادات والے لوگوں نے اغوا کر لیا ہے۔میرے بیٹو! میری حفاظت کرو۔اس خطے کو امن وامان کا گہوارہ بناؤ۔محبت، پیار، خلوص، اخوت دوستی اور بھائی چارے کی کھیتیاں کاشت کرو نفرتیں، عداوتیں، فاصلے، دُوریاں اور رنجشیں دور کر دو۔کشمیر میرا اٹوٹ انگ ہے۔مجھے کشمیر چاہیئے مجھے خوشحالی، استحکام، خود کفالت، روشن مستقبل، تعلیم، بہتر خوراک، پُرامن ماحول، بہتر ذرائع آمدن، اچھی شہرت اور مکمل تحفظ کی ضرورت ہے۔ہاں اس میں کوئی شک نہیں قائد اعظم نے یہ ملک اسلام اور مسلمانوں کے لئے بنایا ہے۔جبکہ سب اسلامی جماعتیں اس کے بنانے کے خلاف تھیں اور کانگرس کی حامی تھیں۔اب 65 سالوں میں اس نے کون سا نظام دیا ہے۔جب آپ کے عمل اسلام سے دور ہو جائیں تو ایسا ہی ہونا تھا۔اسلام کا نظام بہت عظیم ہے۔مگر آپ کون سا اسلام نافذ کریں گے۔یزید کا اسلام کہ امام حسینؓ کا اسلام۔طالبان کا اسلام، مودودی، وہابی،

دیوبندی، بریلوی، رائے ونڈی برانڈ کے اسلاموں نے اس ۶۵ سال میں میرا منہ کالا کر دیا ہے۔ الٹا کشکول گدائی نے میرا امیج تباہ کر دیا ہے۔ مسلمان تو دور کی بات ہے آپ انسان تو بنو۔ آپ کے علماء سوء بے عمل، زر پرست، زن پرست، شہوت پرست، فرقہ پرست، مردہ پرست، انا پرست، تخریب پرست، شاہ پرست اور مطلب پرست ہو کر رہ گئے ہیں۔ حضرت علامہ محمد اقبال حکیم الامت پاکستان کا خواب دیکھنے والے نے اپنی قوم کی کیا تصویر پیش کی تھی۔ جبکہ آج اس وقت سے اب حالت قوم بدترین ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں یہود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

2011ء کا حج اسکینڈل ہی کافی ثبوت ہے۔ ان متشدد طاقتوں نے عوام کو روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم صحت روزگار دینے کی بجائے ایٹم بم دیا۔ اور جس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیا ان کے دشمن نہیں ہیں کیا ایٹم بم کے بغیر دنیا کے باقی ممالک باعزت زندگی نہیں بسر کر رہے۔ وہ زمانہ گیا جب طاقتور ملک کمزور ملک پر قبضہ کر سکتے تھے۔ میری قوم نے ہر شہر کے چوراہوں پر جنگی جہاز اور میزائل رکھ کر اپنے جنگی جنون کا تو ثبوت دیا ہے۔ مگر اسلامی اقدار اور نامور نوبل لاریٹ یا اپنے علمی سائنسی کارنامے کرنے والوں کا کوئی نام نہیں، کوئی مجسمہ نہیں کوئی داخل نصاب نہیں، نعرے ہم ہر وقت اسلام کے مارتے ہیں اور نقل ہم مغرب کی کر رہے ہیں۔ کیا ہی ایک شاعر جناب امیر الاسلام ہاشمی نے صدق دل سے آج کے پاکستانی مومن کی نقشہ کشی کی ہے۔

اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں:۔

مکاری و عیاری و غداری و ہیجان
اب بنتا ہے ان چار عناصر سے مسلمان
قاری اسے کہنا تو بڑی بات ہے یارو!
اس نے تو کبھی کھول کے دیکھا نہیں قرآن
کردار کا گفتار کا اعمال کا مومن
سرحد کا ہے مومن کوئی بنگال کا مومن
ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں قرآن کا مومن
بیباکی و حق گوئی سے گھبراتا ہے مومن
مکاری و روباہی پہ اتراتا ہے مومن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو
وہ رزق بڑے شوق سے کھاتا ہے مومن
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

بلکہ ہماری موجودہ نسل اب اپنے اکابرین پر تنقیدی اور طنزیہ تبصرے کرتی ہے:۔

قومی دولت اور املاک کو غصب کرنا قوم کا فیشن بن گیا ہے۔ ٹیکس نہ دینا معزز ہتھکنڈہ ہے۔ بیوروکریسی سے مل کر بڑے بڑے قرضے معاف کروانا ہر سیاسی لیڈر کی عادت ثانیہ بن گئی ہے۔ سب اداروں کو کرپشن کے عفریت نے ہڑپ کر لیا ہے۔ قانون بے بس ہے۔ ظلم کی حکمرانی ہے۔ کسی بھی محکمہ کا الٹرا ساؤنڈ کر لیں کوئی مثبت خبر نہیں ملے گی۔ کیا یہ سب کچھ فرشتے بگاڑ گئے ہیں۔ اور پھر قانون حرکت میں نہیں آ رہا۔ کیونکہ اس کار خیر میں سب بڑے بڑے مسلمان لوگ اور جبہ پوش بھی ہی ملوث رہے ہیں۔ اے میری قوم کے سپوتو! سوچو! افیمی چین میرے ایک سال بعد آزاد ہوا ہے۔ آج وہ کہاں کھڑا ہے۔ تم اسلام کے عظیم نظام کو رکھتے ہوئے بھی ایک ناکام ریاست کا رُوپ دھار چکے ہو۔ اور آپ کی سب حرکتیں اسلام سے متضاد ہیں۔ مسلمان ہو کر اپنے گھر میں (لالچ اور طمع کی خاطر کبھی سعودیہ سے کبھی امریکہ اور کبھی برطانیہ سے) ڈکٹیشن لیتے ہو۔ تم احساس کمتری کا شکار ہو یا تم فقیر ہو اس رویہ نے تمہارا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ تم آدھا تیتر آدھا بٹیر ہو۔

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

میں اپنے پر نظر ڈالتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ میرے بزرگوں نے جو خواب دیکھے تھے وہ نامکمل ہیں۔ میں (پاکستان) بالکل ان کے برعکس ہوں۔ میں سوچتا ہوں۔ کہ میری بنیاد تو اسلام پر تھی۔ میری بنیادوں میں

شہیدوں کا لہو شامل ہے۔ مجھے تو ایسا ملک ہونا چاہیئے تھا جو امن کا گہوارہ ہوتا۔ مجھے پوری دنیا کے لئے رول ماڈل ہونا چاہیئے تھا۔ میں آپ کو یہی پیغام دوں گا کہ مجھے رول ماڈل بنائیں پوری دنیا کے لئے۔ میری حفاظت کریں کیونکہ میرے دم سے آپ ہیں۔ مجھ سے محبت کریں۔ کیونکہ اپنے وطن سے محبت کرنا ایک عبادت ہے۔ لہٰذا میری خدمت عبادت سمجھ کر کریں۔ تو آپ کے ملک یعنی میرا شمار دنیا کے امیر ترین ممالک میں ہوسکتا ہے۔ مجھے ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔ یہاں رشوت، سفارش، اقرباء پروری، بے انصافی، بیروزگاری، ناخواندگی، غربت، بھوک، افلاس، عریانی اور بے راہروی نہیں چاہیئے قائد اعظم کے افکار کو یاد کرو۔ 11 راگست 1947ء کی تقریر کو اپنا منشور بنا لو۔ اس ملک کے رہبر بنو، لیڈر بنو، مفکر بنو، ڈاکٹر عبدالسلام بنو، میں پاکستان ہوں۔ میرا ایک قومی تشخص ہے اور اس تشخص کو قائم رکھنا آپ سب کی خصوصاً نوجوان نسل کی اہم ذمہ داری ہے۔ ورنہ تمہاری داستاں بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔

--*

کیوں انگور حلال اور شراب حرام ہے؟

رجل خوشاب

فرانس میں کمشنر (مورس سارائی) تعینات تھا کمشنر نے ایک ضیافت میں دمشق کے معززین شیوخ علماء کو مدعا کیا ہوا تھا اس ضیافت میں ایک سفید دستار باندھے دودھ کی طرح سفید داڑھی والے بزرگ بھی آئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے اُن کی نشست کمشنر کے بالکل سامنے تھی کمشنر نے دیکھا کہ یہ بزرگ کھانے میں ہاتھ ڈالے مزے سے کھانا کھا رہے ہیں جب کہ چھری کانٹے اُس کی میز پر موجود ہیں۔ ایسا منظر دیکھ کر کمشنر کا کراہت اور غصے سے بُرا حال ہو رہا تھا۔ نظر انداز کرنے کی بہت کوشش کی مگر اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا۔ اپنے ترجمان کو بُلا کر کہا کہ اس شیخ صاحب سے پوچھیں کہ آخر وہ ہماری طرح کیوں نہیں کھاتا؟ شیخ صاحب نے ترجمان کو دیکھا اور نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔ تو تمہارا خیال ہے کہ میں اپنی ناک سے کھا رہا ہوں؟ کمشنر نے کہا ایسی بات نہیں ہے ہمارا مطلب یہ ہے کہ تم چھری اور کانٹے کے ساتھ کیوں نہیں کھاتے؟ شیخ نے کہا مجھے اپنے ہاتھوں کی صفائی اور پاکیزگی پر پورا یقین ہے اور بھروسہ ہے کیا تمہیں بھی اپنی چھری اور کانٹوں کی صفائی اور پاکیزگی پر اتنا ہی بھروسہ ہے؟ شیخ صاحب کے جواب سے کمشنر جل بُن کر رہ گیا۔ اُس نے یہ تہیہ کرلیا کہ اس اہانت کا بدلہ ضرور لے گا۔ کمشنر کے میز پر اُس کے دائیں طرف اُس کی بیوی اور بائیں طرف اُس کی بیٹی بھی ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ کمشنر عربوں کی ثقافت اور روایات اور دین داری سے واقف تھا۔ مزید براں اُس نے اس ضیافت میں شہر کے معززین اور علماء کو مدعو کر رکھا تھا مگر ان سب روایتوں کو توڑتے ہوئے اُس نے اپنے لئے شراب منگوائی اور شیخ صاحب کو جلانے کے لئے نہایت طمطراق سے اپنے لئے اپنی بیوی اور بیٹی سے گلاس میں انڈیلی۔ اپنے گلاس سے چُسکیاں لیتے ہوئے شیخ سے مخاطب ہو کر کہا۔ سنو شیخ صاحب تمہیں انگور اچھے لگتے ہیں اور تم کھاتے بھی ہو کیا ایسا ہے ناں؟ شیخ صاحب نے مختصر اجواب دیا۔ ہاں۔

کمشنر نے میز پر رکھے ہوئے انگوروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ شراب ان انگوروں سے نکالی ہوئی ہے۔ تم انگور تو کھاتے ہو مگر شراب کے نزدیک بھی نہیں لگنا چاہتے ضیافت میں موجود ہر شخص کمشنر اور شیخ صاحب کے درمیان پیش آنے والی اس ساری صورت حال سے آگاہ ہو چکا تھا۔ سب کے چہروں سے نادیدہ خوف کے سائے نظر آ رہے تھے اور ہر طرف خاموشی تھی۔ مگر شیخ صاحب کے نہ تو کھانے سے ہاتھ رُکے اور نہ ہی چہرے پر آئی مسکراہٹ میں کوئی فرق آیا۔ کمشنر کو مخاطب کرتے ہوئے شیخ صاحب نے کہا: یہ تیری بیوی ہے اور یہ تیری بیٹی ہے۔ تیری بیٹی تیری بیوی سے آئی ہے تو پھر کیوں تیری بیوی تو تیرے اوپر حلال ہے اور تیری بیٹی تجھ پر حرام؟ مصنف لکھتا ہے کہ اس کے بعد کمشنر نے فوراً ہی اپنی میز سے شراب اُٹھانے کا حکم دے دیا تھا۔ تیسری گزارش یہ کہ عقیدے کی آزادی میں اپنے عقائد کی ترویج کا حق بھی شامل ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر انسان اپنے عقائد کی ترویج یا تبلیغ میں دلچسپی رکھتا ہے۔ تاریخی طور پر یہ دونوں رجحانات موجود ہیں۔ کچھ عقائد میں ترویج کا عنصر شامل رہا ہے اور کچھ میں نہیں۔ عقیدے کی انفرادی آزادی ہر انسان کا حق ہے۔ عقیدے کے اظہار، پیروی اور ترویج کے معاملات کی انتخابی صوابدید کا حصہ ہیں۔ ہمارے لئے یہ مفروضہ باندھنا شاید مناسب نہ ہو کہ سب انسان اپنے معتقدات کی ترویج چاہتے ہیں۔

-

حضرت قائداعظمؒ چوہدری ظفراللہ خان کی لیاقت کے قدردان اوران کی قومی خدمات کے مداح تھے

اے آر راجپوت

برصغیر ہندو پاک کی تحریک آزادی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تحریک آزادی کے عظیم اور سرگرم لیڈر محمد علی جناح (جو ابھی قائداعظم کے قابل صد احترام لقب سے معروف نہیں ہوئے تھے) برصغیر ہندو پاک کے چیدہ چیدہ و معروف و مخلص لیڈروں سے خوب شناسا تھے۔اوران عمائدین میں چوہدری ظفراللہ خان خوب نمایاں اور فعال تھے۔ ہندوستان میں آئینی اصلاحات اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے جو مساعی کی گئیں۔لندن میں منعقدہ ''تین گول میز کانفرنسیں'' (۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء) اس سلسلہ کی تین اہم کڑیاں تھیں۔جن میں انڈیا کے چوٹی کے لیڈر شامل ہوئے اور حکومت برطانیہ کے ساتھ گفت وشنید میں حصہ لیا۔جس کے نتیجہ میں کئی اصلاحات تشکیل پا گئیں۔ چوہدری سر ظفراللہ خان کو ان تینوں کانفرنسوں میں بھرپور عملی شرکت کا موقع ملا۔ لہٰذا قائداعظم جیسا زیرک لیڈر چوہدری سر ظفراللہ خان کی نمایاں سرگرمیوں سے خوب آگاہ تھے۔

مؤرخ پاکستان ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے اپنی کتاب ''اقبال کے آخری دوسال'' میں واضح طور پر تحریر کیا۔''گول میز کانفرنس کے مسلمان مندوبین میں سے سب سے زیادہ کامیاب آغا خاں (وفد کے سربراہ) اور چوہدری ظفراللہ خان ثابت ہوئے۔''

(اقبال کے آخری دوسال ص ۱۶ ناشر اکیڈمی کراچی)

ہندوستان کی مرکزی اسمبلی (۱۹۳۹) میں قائداعظمؒ کا ایک بیان۔غیر منقسم ہندوستان میں بھی چوہدری صاحب کی ملک وملت کے لئے کامیاب سرگرمیوں کے پیش نظر قائداعظم نے چوہدری صاحب کو غیر معمولی خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا۔''میں اپنی اور اپنی پارٹی کی طرف سے آنریبل سر چوہدری ظفراللہ خان کو ہدیہ تبریک پیش کرنا چاہتا ہوں۔وہ مسلمان ہیں اور یوں کہنا چاہیئے کہ میں اپنے بیٹے کی تعریف کررہا ہوں۔مختلف حلقوں نے ان کو جو مبارکباد پیش کی ہے۔میں اس کی تائید کرتا ہوں''۔(ہماری قومی جدوجہد ص ۷۸ مؤرخ پاکستان ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی پاکستان پریس لاہور) پاکستان کے باقاعدہ معرض وجود میں آنے سے پہلے۔''۳ رجون ۱۹۴۷ کے ہند

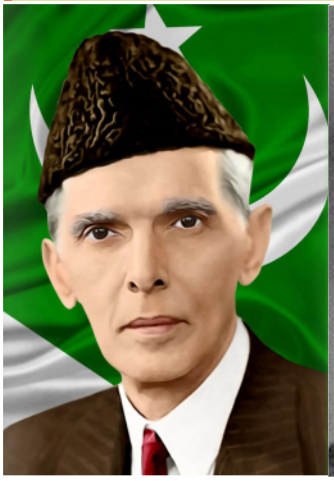

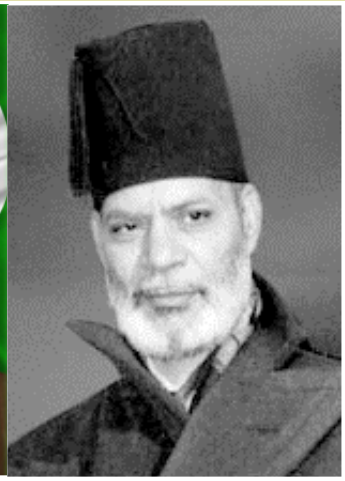

پلان'' کے جلد بعد انگریزی حکومت نے صوبہ پنجاب میں مسلم اکثریت کے باوجود اسے تقسیم کرنے کا پروگرام بنایا اور باؤنڈری کمیشن کے قیام کا اعلان کردیا۔اس موقع پر قائداعظم نے مملکت خداداد پاکستان کے باقاعدہ قیام سے پہلے ہندوستان بھر کے وکلاء اور ماہرین قانون میں سے خود سر چوہدری ظفراللہ خان کا انتخاب فرمایا کہ وہ باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کے کیس کی وکالت کریں۔یہ قائداعظم کا چوہدری صاحب کی غیر معمولی لیاقت اور مخلصانہ جذبہ خدمت پر اعتماد کا زبردست ثبوت ہے۔ادھر چوہدری ظفراللہ خان کو بھی قائداعظم کا کس قدر احترام اوران کے ارشاد کا کس قدر پاس تھا۔ اس کا ثبوت چوہدری صاحب کے ان الفاظ سے عیاں ہے۔آپ جید صحافی منیر احمد منیر کے ساتھ اپنے انٹرویو میں بیان کرتے ہیں۔''قائداعظم نے مجھے بھوپال سے بلا کر ارشاد فرمایا کہ پنجاب باؤنڈری کمیشن میں آپ ہمارا کیس پیش کریں۔میں نے ان سے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں''۔

(انٹرویو مطبوعہ آتش فشاں مئی ۱۹۸۱ ص ۲۳ کالم نمبر ۱)

قائداعظمؒ مردم شناس تھے۔تحریک پاکستان کے ایک سرگرم رکن اور سابق سفیر و وزیر سید احمد سعید کرمانی قومی ڈائجسٹ کو بیان دیتے ہوئے فرمایا۔ قائداعظم نے رائٹ مین فار رائٹ جاب چنا۔ظفراللہ خاں کی چائس بھی قائداعظمؒ کی تھی۔ظفراللہ خاں قیام پاکستان کے موقع پر نواب آف بھوپال کے آئینی مشیر تھے۔قائداعظمؒ نے بلایا کہ آپ باؤنڈری کمیشن کے آگے مسلم لیگ آرگو کریں۔وہاں کی اچھی خاصی تنخواہ اور مراعات چھوڑ کر آگئے۔مطلب

یہ ہے کہ قائداعظمؒ کو اللہ تعالیٰ نے مردم شناسی دی تھی۔(انٹرویو مطبوعہ قومی ڈائجسٹ اگست ۲۰۰۲ء ص ۲۶۔۲۷) باؤنڈری کمیشن کے سامنے وکالت اور قائداعظمؒ کی پذیرائی۔اس سلسلہ میں وطن عزیز کے معروف صحافی منیر احمد منیر اپنے کالم مطبوعہ روزنامہ ''خبریں'' ۷ رجون ۲۰۰۳ میں تحریر کرتے ہیں ۔قائداعظم نے چوہدری ظفراللہ خاں کو پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔اور جب چوہدری ظفراللہ خان یہ کیس پیش کر چکے۔قائداعظمؒ نے انہیں شام کے کھانے کی دعوت دی۔اور انہیں معانقہ کا شرف بخشا۔جو قائداعظمؒ کی طرف سے کرۂ ارض پر بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا۔معانقہ کرنے کے بعد قائداعظمؒ نے چوہدری سر ظفراللہ خاں سے کہا۔میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہارا ممنون ہوں کہ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا تھا تم نے اسے اعلیٰ قابلیت اور نہایت احسن طریقے سے سرانجام دیا۔ (از کالم مطبوعہ روزنامہ خبریں مورخہ ۷ رجون ۲۰۰۳)

اقوام متحدہ میں دو قابل ذکر کارنامے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے قائداعظمؒ کی زیر قیادت طویل جدوجہد کے بعد مملکت خداداد پاکستان کا قیام ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو عمل میں آیا۔اس لئے چوہدری صاحب کے لئے ایک اہم فریضہ پاکستان کے لئے اقوام متحدہ کی ممبر شپ حاصل کرنا تھی۔اور بفضل اللہ تعالیٰ یہ مرحلہ عمدگی سے مکمل ہو گیا۔اقوام متحدہ میں دوسرا اہم کام مسئلہ فلسطین پر پاکستان کا موقف واضح کرنا اور عربوں کی بھرپور حمایت کرنا تھا۔اس سلسلہ میں چوہدری صاحب نے قائداعظمؒ اور حکومت پاکستان کی طے شدہ خارجہ پالیسی کے تحت فلسطینیوں اور بعد میں آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والے مختلف عرب اور افریقی ممالک کے حق میں اقوام متحدہ کے فورم پر زبردست اور مؤثر آواز اٹھائی اور پاکستان کا نام دنیا بھر میں روشن کیا۔چنانچہ قائداعظمؒ کے ایک معتمد ساتھی اور پاکستان کے سابق وزیراعظم چوہدری محمد علی اپنی انگریزی کتاب ''ظہور پاکستان'' کے صفحہ ۳۸۰ پر تحریر کرتے ہیں۔مسلم دنیا کی آزادی، قوت، خوشحالی اور اتحاد کے لئے زبردست جدوجہد پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ایک مستقل مقصد رہا ہے۔حکومت پاکستان کا ایک اولین اقدام یہ تھا کہ مشرق وسطیٰ کے ممالک میں ایک خیرسگالی وفد بھجوایا گیا۔پاکستان نے فلسطین میں عربوں کے حقوق کو اپنا مقصد قرار دیا۔اور اقوام متحدہ میں اس نصب العین کی خاطر پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفراللہ خان سے بڑھ کر کوئی فصیح ترجمان نہیں تھا۔پاکستان اسرائیل کو نہ تسلیم کرنے کی پالیسی پر مسلسل گامزن ہے۔انڈونیشیا، ملایا، سوڈان، لیبیا، تیونس، مراکش، نائیجیریا، اور الجیریا کی آزادی کی خاطر پوری تگ و دو کی گئی۔''(Emergence of Pakistan page76 edition 1976)

قائداعظمؒ کا نادر خراج عقیدت۔اقوام متحدہ میں چوہدری سر ظفراللہ خان اپنی خداداد تقریری فصاحت و بلاغت کے ذریعہ اقوام عالم کے سامنے نوزائدہ مملکت خداداد پاکستان کا مسئلہ لے جانے اور عالم اسلام خاص طور پر اہل فلسطین کے حق میں لاجواب وکالت و ترجمانی میں مصروف تھے۔کہ امریکہ میں پاکستانی سفیر کے سلسلہ میں چوہدری صاحب کو واپس (اقوام متحدہ کا سیشن بیچ میں چھوڑ کر) وطن بلایا جارہا ہے۔چنانچہ سفیر اصفہانی صاحب نے قائداعظمؒ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا۔جس میں چوہدری ظفراللہ خاں کی اقوام متحدہ میں سرگرمیوں کی اہمیت اور مصروفیات کا ذکر کیا۔اس خط کے جواب میں مورخہ ۲۲ راکتوبر ۱۹۴۷ کو قائداعظمؒ نے سفیر اصفہانی کو تحریر فرمایا۔''جہاں تک ظفراللہ کا تعلق ہے تو ہم نہیں چاہتے کہ جب تک وہاں پر (اقوام متحدہ) ان کا قیام ضروری ہے وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر واپس آجائیں اور میرا خیال ہے کہ انہیں اس امر کی اطلاع بھی دی جا چکی ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے یہاں قابل لوگ خاص طور پر ان جیسی اعلیٰ صلاحیت کے اشخاص کی بہت کمی ہے۔اس لئے جب بھی مختلف مسائل سے واسطہ پڑتا ہے تو ان کے حل کے لئے لامحالہ ہماری نظریں ان کی طرف اٹھتی ہیں۔دستخط ایم اے جناح''۔

(ترجمہ اقتباس از مکتوب قائداعظم ص ۱۶۶۔ایڈیشن ۲۰۰۱)

واقعی انہوں نے اپنا کام بہت عمدگی سے سرانجام دیا ہے۔چوہدری سر ظفراللہ خاں رئیس الوفد برائے اقوام متحدہ جب ۱۹۴۷ء کے آخر اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد جب واپس پہنچے۔جو ایم اے حسن اصفہانی کے مفصل مکتوب کے جواب میں ۱۱ ردسمبر ۱۹۴۷ء کے مکتوب میں تحریر فرمایا۔'' ظفراللہ (نیویارک) سے واپس پہنچ گئے ہیں اور میری ان سے طویل گفتگو ہوئی ہے۔واقعی انہوں نے اپنا کام بہت عمدگی سے سرانجام دیا ہے''۔

(قائداعظم محمد علی جناح پیپرز جلد یکم اکتوبر تا ۳۱ ردسمبر ۱۹۴۷)

ایک کے بعد ایک اہم ذمہ داری۔قائداعظم محمد علی جناح کی طرف سے

چوہدری ظفراللہ خاں کو باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کے کیس کی وکالت اور پھر قیام پاکستان کے فوراً بعد اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت کا ذکر ہو چکا ہے۔ متذکرہ بالا دونوں مواقع پر چوہدری سر ظفراللہ خاں کی قابلیت اور کامیابی کے خوب جوہر کھلے۔ اور پھر دسمبر ۱۹۴۷ء میں قائداعظم نے چوہدری سر ظفراللہ خاں کو وطن عزیز کے وزیر خارجہ کا منصب سنبھالنے کا ارشاد فرمایا۔ گویا چوہدری صاحب کی لیاقت اور بے لوث خدمت پر قائداعظمؒ کا اعتماد بڑھتا گیا۔ اور آپ انہیں ایک کے بعد ایک اہم تر اور وقیع تر ذمہ داری اور منصب سونپتے گئے۔ چوہدری سر ظفراللہ خاں مدیر ''آتش فشاں'' کے ساتھ انٹرویو میں بیان فرماتے ہیں۔ ''قائداعظمؒ اور میرے درمیان نہ تو کبھی غلط فہمی پیدا ہوئی نہ اختلاف''۔ (انٹرویو مطبوعہ آتش فشاں مئی ۱۹۸۱)

اچھا انتخاب::

سابق سفیر اور سابق وزیر سید احمد سعید کرمانی بیان کرتے ہیں۔

''بانی پاکستان کے ساتھ مخلص اور معتمد ساتھی راہنماؤں، دانشوروں، وکلاء، صحافیوں اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے متعلق افراد کی شاندار ٹیم جمع ہوگئی تھی۔ قائد کو ان لوگوں کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کس آدمی سے کیا کام لینا ہے۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان بھی قائد کا ایک اچھا انتخاب تھے''۔ (ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور اکتوبر ۱۹۹۹ ص ۱۷ کالم نمبر ۲) عمدہ رائے۔ قائداعظمؒ کے سابق اے ڈی سی (بعد میں پاک افواج کے سربراہ جنرل) گل حسن اپنے مشاہدہ کی بناء پر یہ گواہی دیتے ہیں۔ ''قائداعظمؒ اپنی کابینہ کے وزراء میں سر محمد ظفراللہ خان اور سردار عبدالرب نشتر کے متعلق بہت عمدہ رائے رکھتے تھے''۔

(از مضمون مطبوعہ نوائے وقت سنڈے میگزین مورخہ ۵ جون ۲۰۰۵ء ص ۱۰ کالم نمبر ۵)

چوہدری سر ظفراللہ خان کی قابلیت کا اعتراف۔ چوہدری صاحب کی قابلیت اور مہارت کو دیکھتے ہوئے قائداعظم نے آپ کو ۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ بنایا۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ نے قائداعظم کے حوالے سے لکھا: ''یہ ایک کھلا راز ہے کہ ظفراللہ خاں نے اس عہدہ (وزارت خارجہ) کو قبول کرنے میں بڑی ہچکچاہٹ ظاہر کی۔ قائداعظم کی پیشکش کے جواب میں آپ نے کہا کہ اگر آپ کو میری قابلیت اور دیانت پر پورا اعتماد ہے تو میں وزارت کے علاوہ کسی اور صورت میں پاکستان کی خدمت کرنے کو تیار ہوں۔ اس پر قائداعظم نے یہ تاریخی جواب دیا۔ ''آپ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مجھ سے ایسے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ مجھے پتہ ہے آپ عہدوں کے بھوکے نہیں ہیں''۔ قائداعظم کا یہ جواب چوہدری سر محمد ظفراللہ خان کی قابلیت اور راستبازی کا ایک روشن ثبوت ہے۔'' (سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۱۲ اگست ۱۹۵۲ء) چوہدری سر محمد ظفراللہ خان کے متعلق قائداعظم اکثر فرمایا کرتے تھے۔: ''ظفراللہ کا دماغ خداوند کریم کا زبردست انعام ہے۔ ظفراللہ پاکستان کے ایک گوہر نایاب ہیں''۔ (ہفت روزہ مسلم آواز کراچی ۱۵ جون ۱۹۵۲ء) قائداعظمؒ کا اعتماد اُن پر آخری دم تک قائم رہا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے چوہدری سر محمد ظفراللہ خان بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناحؒ کے وہ خوش قسمت اور معتمد ساتھی تھے۔ جن کو قائداعظمؒ کی جانب سے ہمیشہ خوشنودی اور اعتماد حاصل رہا۔ اس کا ایک بہت بڑا ثبوت قائداعظمؒ کے سیکرٹری مسٹر فرخ امین کے اس بیان میں ملتا ہے۔ جو منظور حسین عباسی کی کتاب ''زندہ قائداعظمؒ'' کے ص ۳۴ پر مرقوم ہے:۔ ''بیماری کے پورے زمانے میں قائداعظم نے اس وقت تک سرکاری کاموں کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب تک ان میں ذرا بھی سکت باقی تھی... مجھے وہ دن ہمیشہ یاد رہے گا جب انہوں نے یو این او میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لئے چوہدری سر محمد ظفراللہ خان کو پورے اختیار دینے کے لئے آخری سرکاری کاغذ پر دستخط کئے۔...'' (زندہ قائداعظمؒ ص ۳۴ شائع کردہ مکتبہ شاہکار، چوک اردو بازار لاہور) روشنی اور عزم کے مینار۔ مندرجہ بالا اقتباس پڑھ کر جہاں اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے کہ بفضل اللہ تعالیٰ چوہدری سر محمد ظفراللہ خان کو بانی پاکستان بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناحؒ تادم آخر اپنا معتمد ساتھی قرار دیتے رہے۔ اور انہیں مملکت خداداد پاکستان کی عالمی سطح پر اعلیٰ سے اعلیٰ خدمات سونپتے رہے۔ وہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قائداعظمؒ اور ان کے متعدد جاں نثار و بے لوث ساتھی کسی طرح وطن عزیز کے لئے رات دن محنت اور استقلال و ایثار سے کام لیتے تھے۔ تاکہ ملک وملت شروع کے نامساعد حالات کے باوجود سلامتی، خودداری، اور ترقی پر گامزن رہے۔ بے شک یہ برگزیدہ اور جہاں دیدہ ہستیاں تھیں۔ ایسی عظیم اور عزیز ہستیاں۔

جن کی یادوں سے رگ جاں میں دکھن ہونے لگے
ذکر چھڑ جائے تو پتھر کا بھی دل رونے لگے

--*

تتلیاں سنولیک کی۔اور میرے ابا جی کے بوسے

مستنصر حسین تارڑ

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے پیشتر سرینگر کی ڈل جھیل کے کنارے پر ہمارا ایک وسیع سیڈ فارم تھا جہاں دیگر پھولوں کے علاوہ ڈہلیا کے کھیت تھے اور وہ حجم میں اتنے بڑے ہوتے تھے کہ صرف تین پھولوں سے ایک گلدان بھر جاتا تھا...والد صاحب تب اس خطے کے سب سے بڑے بیجوں کے ادارے کے مالک تھے اور اُن کا کاروبار برما اور سری لنکا تک پھیلا ہوا تھا، یہاں تک کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران برما کے برطانوی محاذ کے لئے سبزیوں اور پھولوں کے بیج اور زرعی اوزار سپلائی کئے، تقسیم ہوئی تو کشمیر ہم سے بچھڑ گیا اور والد صاحب نے میرے ننھیال گکھڑ منڈی کے ریلوے سٹیشن کے پہلو میں کئی ایکڑ زمین ٹھیکے پر حاصل کی اور وہاں ایک پُر فضا سیڈ فارم قائم کیا۔ مجھے رنگ محل مشن ہائی سکول چھوڑ کر گکھڑ کے نارمل سکول میں تیسری جماعت میں داخلہ لینا پڑا...میں ایک شہری بچہ تھا، میرا ایک پس ماندہ قصبے میں دل نہ لگتا تھا...ابا جی نے میرا دل لگانے کی خاطر میرے لئے تتلیوں کی افزائش کی۔۔گویا اُنہوں نے مجھے اڑان کرنے والے رنگارنگ پھڑپھڑاتے ہوئے کھلونے دیئے۔کیا آج تک کسی باپ نے اپنے بیٹے کو ایسے رنگین اور پرواز کرتے کھلونے دیئے؟ میرا خیال ہے کہ نہیں...اُنہوں نے مُولیوں کے پتّوں کو چاٹتی بدرنگ سُنڈیوں کو درجنوں کے حساب سے جمع کیا۔اُنہیں دو کورے گھڑوں میں ڈالا۔اُن کی خوراک کے لئے شہتوت کے پتّے گھڑوں میں ڈال کر اُن کے منہ ململ کے کپڑے سے ڈھانک دیئے تاکہ وہ سانس لے سکیں...روزانہ ململ کے وہ کپڑے الگ کر کے گھڑوں میں شہتوت کے تازہ پتّے ڈالے جاتے...تقریباً ایک ہفتے کے بعد ابا جی نے ایک گھڑے سے ململ کا وہ حجاب اتارا تو میرے کانوں میں ایک پھڑ پھڑاہٹ کی سرگوشی سنائی دی۔گھڑے میں سے ایک سچ مچ کی تتلی پھڑ پھڑاتی ہوئی ظاہر ہوئی اور پھر اُس کے پیچھے آپس میں اُلجھتی درجنوں تتلیاں باہر آنے لگیں...وہ میرے ابا جی کے سفید بالوں پر بیٹھتی تھیں، چارپائی پر بکھرے اُن کی زراعتی کتابوں کے مسودوں پر اترتی تھیں اور کچھ تنی ہوئی پتنگوں کی مانند آسمان میں اٹھتی چلی جاتی تھیں۔بہت برس بیت گئے...نہ صرف بچپن بلکہ جوانی بھی بیت گئی جب ایک سجری سویر میں قدرت کے سب سے منفرد عجائب ''سنولیک'' پر ہولے ہولے قدم دھرتا تھا اور میرے قدموں تلے برف کی نامعلوم گہرائیاں تھیں۔جب میرے کانوں میں ایک پھڑ پھڑاہٹ اتری...نکتہ انجماد سے گرے ہوئے جمود میں تتلیاں اڑتی پھرتی تھیں...وہ سنولیک کے کناروں پر ابھرتی شاندار چٹانوں کی جانب سے اڑان کرتی تھیں اور پھر سنولیک کے انجماد کی تاب نہ لا کر مردہ ہو کر برف پر گر جاتی تھیں، گرتی تھیں اور اُن پر برف کی باریک تہہ جم جاتی تھی اور وہ ایک شیشہ فریم میں حنوط ہو جاتی تھیں...زیادہ کہاں محدود سے چند لوگ ہی ایسے ہوں گے جو ''سنولیک'' تک پہنچے، اگر پہنچے تو کیا اُنہوں نے یہ معجزہ دیکھا کہ تمہارے قدموں میں حنوط شدہ تتلیوں کے برفیلے فریم ہیں۔اگر دیکھا تو بیان نہیں کیا، شاید اس لئے کہ وہ جو بدبودار کریہہ النظر سنڈیوں سے تتلیوں کی رنگینیِ نو بہار تخلیق کرنے پر قادر ہے۔

اُس نے اس معجزے کا مشاہدہ صرف میرے نصیب میں لکھ دیا تھا۔اور اُس لمحے میری روح کے پاتال میں ایک تلاطم نے جنم لیا اور میرا پورا بدن تتلیوں کی پھڑ پھڑاہٹ سے سنسنانے لگا اور مجھے خبر ہو گئی یاد کر دی گئی کہ وہ جو دوسرا گھڑا تمہارے ابّا جی نے کھولا نہ تھا وہ آج...اگرچہ وہ مر چکے ہیں لیکن اُنہوں نے صرف میرے لئے سنولیک پر اُس گھڑے کو ڈھکنے والے ململ کے حجاب کو الگ کر دیا ہے اور یہ سب تتلیاں، میرے آس پاس پھڑ پھڑاتی اور میرے قدموں میں تصویر ہوتی سب کی سب ابّا جی کی جانب سے بھیجے ہوئے میرے لئے اڑان کرتے رنگ رنگ کھلونے ہیں...مجھے یاد ہے میں سنولیک سے واپسی پر چند مردہ تتلیاں محفوظ کر لایا تھا۔ازاں بعد جتنے بھی سلسلے پہاڑوں کے قدموں تلے آئے، جتنے گلیشیئر عبور کئے اور جتنے گھنے جنگلوں میں سے گزر ہوا، یہ تتلیاں میرا پیچھا کرتی رہیں۔آؤ مدینے چلیں...اسی مہینے چلیں...ہم جانے کس مہینے مدینے جا رہے تھے جب سمیر نے کہا...'' ابّا...اب اپنے مدینے کے سفر میں تتلیاں نہ ڈال دینا'' میں نے ذرا ناراض ہو کر کہا...کیا مطلب کہ ڈال نہ دینا...تتلیاں ہوتی ہیں، اُس نے مسکرا کر کہا'' پر اتنی تو نہیں ہوتیں جتنی آپ ڈال دیتے ہیں''، تو میں مزید ناراض ہوا'' بچے میں کوئی منشی تو

نہیں ہوں کہ تتلیاں شمار کروں اور اُن کی تعداد ایک حساب دان کی مانند کھاتے میں درج کروں''...بس کچھ لمحوں کے بعد دائیں جانب کے سنہری صحرا کی جانب سے سفید چھوٹی چھوٹی تتلیوں کا ایک غول نمودار ہوا اور ونڈ سکرین سے ٹکراتا، اُسے چھوتا، بائیں جانب کے ویرانوں میں گم ہو گیا...'' کیوں سمیر، گواہ رہنا تتلیاں ہیں کہ نہیں''، ''پراتنی نہیں ابا جی جتنی آپ نے ڈال دینی ہیں''۔

اور یہ قصہ تو ابھی کل کا ہے، حراموش کے گاؤں کی شب میں جب کہ ہماری خیمہ گاہ کے درمیان میں ایک الاؤ بھڑکتا تھا اور اُس کی سلگاہٹ میں سے راکھ کے ذرّے جنم لے کر سرد ہوا کے دوش پر ڈولتے پھرتے تھے۔ میں حسبِ خصلت اور مجبوری اپنی خیمہ گاہ سے ذرا دور ہوا، کوہ حراموش کی برفوں کے سیاہ سائے میں جو جنگل تھا اُس کے کناروں تک تنہا ہونے کے لئے چلا گیا۔ میرا زوال پذیر بدن سردی سے کپکپاتا تھا جب میں نے فضا میں اترتے ہوئے ذروں کو دیکھا اور یہی جانا کہ وہ الاؤ کی راکھ سے جنم لینے والے راکھ ذرّے ہیں جو ہوا میں آوارہ ہوتے ہیں۔ پر وہ میرے چہرے پر اترتے تو پگھل جاتے۔ میری آنکھوں میں اترتے تو آنسو ہو جاتے اور تب مجھ پر کھلا کہ وہ راکھ کے نہیں برف کے ذرّے ہیں اور وہ تو سفید تتلیوں کی مانند آسمانوں سے نازل ہوتے جاتے تھے...میں نے ہتھیلی پھیلائی تو وہ میری قسمت کی لکیروں میں جذب ہونے لگیں...یہ سب میرے ابا جی کے دوسرے گھڑے میں سے فرار ہونے والی تتلیاں تھیں جو نہ صرف سنولیک کی برفوں میں حنوط تھیں، مدینے کے راستے میں ہماری کار کی ونڈ سکرین سے ٹکراتی تھیں اور اب حراموش کی سرد شب میں برف کے ذرّوں کی صورت میری آنکھوں میں اترتی اُن میں برفیلے آنسو بھرتی تھیں، اور ہر تتلی میرے ابا جی کا وہ بوسہ تھا جو اُنہوں نے میرے کان میں اذان دینے کے بعد میرے گالوں پر ثبت کیا تھا۔ تتلیوں کی صورت آج بھی ابا جی اپنی قبر کے نور میں سے میرے لئے، رخساروں کے لئے وہ پہلا بوسہ، اذان کے بعد، بھیجتے رہتے ہیں۔ میرے رخسار نم رہتے ہیں۔ *--*--*

امجد مرزا امجد

تحریر: ڈاکٹر منور احمد کنڈے

''لندن کی معروف و مقبول اور ہر دلعزیز ادبی و سماجی شخصیت محترم امجد مرزا امجدؔ سے میرا مستقل برادرانہ قلبی ربط پچھلے اٹھارہ برس سے گہرا رُوح میں رچ بس گیا ہے، مگر ان کے حقیقت نما افسانوں سے میری شناسائی بہت پہلے کی ہے جب وہ لندن کے ایک ماہانہ اردو اخبار سے منسلک تھے اور وہ اخبار ان کی جادوئی تحریروں کے بغیر نامکمل رہتا تھا۔ ان کا افسانہ پڑھتے ہوئے یوں لگتا تھا جیسے وہ زبانِ قلم سے قاری کی اپنی ہی کہانی دہرا رہے ہوں۔

اس اخبار کے بند ہو جانے کے بعد امجد بھائی نے پنجابی زبان کے اولین ماہنامہ کا اجراء لندن سے کیا تو دنیا جان گئی کہ امجدؔ صاحب کا خمیر پنجاب کی معطر سرزمین سے اُٹھا ہے۔ پھر کیا تھا یورپ کے کونے کونے سے پنجابی ادب کے پروانے ان کی لسانی قندیل پہ نثار ہونے کو تیار کھڑے تھے۔ مقامِ فخر ہے کہ خاکسار بھی انہی افراد میں شامل تھا۔ یہ معیاری ماہنامہ ''پنجابی سویرا'' کئی برس تک بہت کامیابی سے نکلتا رہا۔ قارئین کی یادوں کو ''سویرا'' آج بھی شبنم کی طرح نمناک رکھے ہوئے ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے برطانیہ کا پہلا مزاحیہ اردو رسالہ ''مسکان'' بھی جاری کیا جو دو سال تک لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ کے پھول کھلاتا رہا۔ سویرا پانچ سال اور مسکان دو سال کے بعد نامساعد حالات سے مجبوراً بند کرنے پڑے لیکن امجدؔ مرزا کے بابِ اُلفت میں داخل ہونے والے بھی ان کے دامِ محبت میں اسیر ہو کر رہ گئے۔

امجد صاحب آج کا کام کل پر نہ چھوڑنے والے ذہین و فتین ادیب و سخنور ہیں جن کے قلم میں اللہ نے ساحرانہ قوت اور روانی عطا فرمائی ہے جس کی دوسری مثال ہمیں پاکستان اور بھارت سے باہر اُردو کی بستیوں میں باوجود تلاش کے نہیں ملتی۔ خاکسار کے دیکھتے دیکھتے تیرہ برس کی قلیل مدت میں ان کی بارہ تصنیفات کا منظرِ عام پر آ جانا، اور تین چار مزید کتب کو زیرِ اشاعت محفوظ رکھنا کوئی معمولی عمل نہیں ہے۔ امجد مرزا امجدؔ صاحب کی انشائیوں پر مشتمل کتاب ''پھلواری'' کی اشاعت سے قبل افسانوں کی تین کتابیں ''کانچ کے رشتے''، ''سونے کی صلیب'' اور ''دوریاں'' ظہور پذیر ہوئیں۔ بعد ازیں پنجابی زبان میں افسانے اور شاعری کی دو کتب بالترتیب ''اوکھے پینڈے'' اور ''یاداں'' زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منتظر قارئین

تک پہنچیں۔ بہت ہی عمدہ اور خوبصورت افسانوں پر مشتمل ان کی مزید دو تصنیفات ''تنہائیاں'' اور ''جھوٹے لوگ'' اشاعت پذیر ہوئیں تو ان کے انشائیوں کی ایک اور کتاب ''دھنک کے رنگ'' نے آستانہء گلستانِ ادب میں داخل ہو کر بھرپور داد وصول کی۔ امجدؔ صاحب کو پنجابی اور اردو سخن میں ایک انفرادی حیثیت حاصل ہے کہ ان کی دلکش وعمدہ شاعری سے بھرپور کتاب ''ہوائے موسمِ گُل'' کے دو ایڈیشن لندن سے شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت بھی ہو گئے۔ حال ہی میں ان کے افسانوں کا ایک اور مجموعہ ''توبہ'' کے زیرِ عنوان چھپ کر ''بک سینٹر بریڈفورڈ'' جیسے بڑے کتب خانوں میں پہنچ چکا ہے۔ پھر دوسرا پنجابی مجموعہ ''وچھوڑے'' آیا اور ان کی دیگر تصنیفات کی طرح برٹش لائبریریوں میں ان کی یہ بارھویں کتاب بھی دستیاب ہے۔

امجد مرزا آ کی مصروفیات فقط کتابیں تصنیف کرنے تک محدود نہیں ہیں بلکہ ادبی اور سماجی میدان کی شہسواری بھی ان کے روزمرہ فرائض میں شامل ہو چکی ہے۔ ان کی ''والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم'' نام کی تنظیم کے تحت ماہانہ مشاعروں کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں گلہائے سخنوری کی خوشبو نچھاور کرنے کو سینکڑوں افراد شامل ہوتے ہیں۔ انہیں مشاعروں میں ادیبوں دانشوروں اور دیگر مصنفین کی کتابوں کی بلا معاوضہ رُونمائیاں کی جاتی ہیں۔

امجد صاحب بیسیوں ادبی ٹی وی پروگرامز بطورِ میزبان بہت ہنرمندی کے ساتھ پیش کر چکے ہیں، مختلف جرائد اور اخبارات میں بہت کامیاب اور پراثر کالم نویسی کے ساتھ ساتھ سالہا سال تک ادبی صفحات ترتیب دے چکے ہیں۔ بیسیوں کتابوں کی کمپیوٹر کمپوزنگ کر چکے ہیں۔ ان کی نان کمرشل ''سویرا اکیڈیمی'' کی جانب سے متعدد کتب کی اشاعت ہو چکی ہے جن میں خاکسار کی بھی سات کتابیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ڈی ایم ڈیجیٹل اور تکبیر ٹیلیویژن پر کئی ماہ ہفتہ وار شاعری اور سماجی مسائل پر نہایت کامیاب پروگرام بھی پیش کرتے رہے۔ اب برطانوی اردو اور پنجابی کے اہلِ قلم کے لئے خوشخبری یہ ہے امجد مرزا امجدؔ صاحب برطانیہ کے نوے (۹۰) ادبی مشاہیر کے مختصر تعارف اور کلام پر مشتمل ایک ضخیم اور آنے والی نسلوں کے لئے یادگار کتاب مرتب کی جو برطانیہ کی ادبی تاریخ میں ایک نہایت اہم کتاب سمجھی جاتی ہے اور بہت مقبول ہوئی جس کا دوسرا ایڈیشن جلد ہی کراچی کے ایک ناشر شائع کر رہے ہیں۔ ان دنوں چونکہ ان کی ریڑھ کی ہڈی کا آپریشن ہوا جس کی وجہ سے وہ آرام کر رہے ہیں مگر جلد ہی وہ اس ادبی تاریخی کتاب کا دوسرا حصہ مکمل کریں گے تاکہ جو شعرا اس وقت رہ گئے تھے وہ بھی اور دیگر نوجوان شعرا بھی شامل اشاعت ہو سکیں۔ ان کی چودھویں کتاب بھی دنیائے ادب کی انوکھی کتاب ہے جو خاص کر برطانیہ و یورپ میں نہیں لکھی گئی۔ ''چند قہقہے'' جس میں سات سو نہایت پر لطف لطیفے جمع کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب بھی ان کی ہاتھوں ہاتھوں فروخت ہوئی اور اس کا بھی دوسرا حصہ مرتب کیا جا رہا ہے اس کے علاوہ ان کی آنے والی کتب میں اردو شاعری کا دوسرا مجموعہ ''سوزِ حیات'' دو سو صفحات میں 125 کہانیاں افسانے جو ادبی تاریخ میں ایک ریکارڈ ہو گا بنام ''یادِ ماضی'' اس سال میں منظرِ عام پر آ جائے گی اس کے علاوہ ان کا تیسرا پنجابی شعری مجموعہ ''چھاواں'' بھی تیار ہے۔ غرضیکہ امجد مرزا کئی جہتوں کے لکھاری ہیں اور ہر وقت مصروف رہتے ہیں۔ خدا کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

جگاڑ۔ رجل خوشاب

لطیفہ ہے کہ امریکہ کے نئے صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنے کچھ جاسوس اسلامی ممالک میں بھیجے تاکہ وہاں کے حالات کو سمجھا جا سکے دو قابل جاسوس پاکستان کی طرف روانہ کئے گئے۔ وہ پی آئی اے کے جہاز پر پاکستان کا سفر کر رہے تھے کہ اچانک جہاز خراب ہو گیا پائلٹ نے اعلان کیا کہ جہاز کے چاروں انجن فیل ہو چکے ہیں لیکن آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ کوئی نہ کوئی جگاڑ لگا لیا جائے گا۔ جاسوس جوں ہی پاکستان پہنچے تو دہشت گردوں نے ایئرپورٹ پر حملہ کر دیا۔ سیکورٹی کی طرف سے اعلان ہوا کہ آپ مت گھبرائیں، زمین پر لیٹ جائیں، کوئی نہ کوئی جگاڑ لگا رہے ہیں۔ ایئرپورٹ سے جان بچا کر گاڑی میں ہوٹل جا رہے تھے کہ انجن خراب ہو گیا۔ ڈرائیور نے کہا کہ گھبرائیں نہیں کوئی جگاڑ لگا لیا جائے گا۔ دونوں جاسوس بمشکل اپنے ہوٹل کی دسویں منزل پر پہنچے تو وہاں آگ لگ گئی۔ فائر بریگیڈ نے اعلان کیا کہ پانی کا پریشر 8ویں منزل تک جا رہا ہے لیکن آپ فکر نہ کریں، کوئی جگاڑ لگا لیں گے۔ دونوں امریکی جاسوس گھبرا کر دوسرے ہی دن واپس اپنے ملک چلے گئے اور صدر ٹرمپ کو رپورٹ دی کہ پورا پاکستان جگاڑ پر چل رہا ہے۔ اگر جگاڑ پر ہمارا قبضہ ہو جائے تو پورا پاکستان قبضے میں آ سکتا ہے۔ صدر ٹرمپ نے وزیر اعظم کو فون کیا کہ جگاڑ کا کتنا مانگتا ہے۔ حکومت نے جواب دیا کہ ہم آپ کو جگاڑ فروخت نہیں کر سکتے۔ یہاں خود حکمران خاندان نے قطری شہزادے کے خط کا جگاڑ لگایا ہوا ہے۔

-

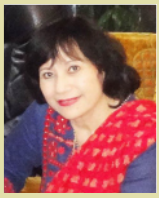

میری شاعری۔رُوح کی ترجمانی

شائستہ زرّیں

شگفتہ شفیق کہتی ہیں خدا کی عطا میرا تخلیقی جوہر....مری شاعری، روح کی ترجمانی بلا شبہ شگفتہ کا شعری مجموعہ'' جاگتی آنکھوں کے خواب'' شگفتہ کی روح کا ترجمان بھی ہے اور اُن کے دلی جذبات و احساسات کا آئینہ دار بھی، آپ نے جو کچھ بھی دیکھا محسوس کیا بڑی سادگی سے بیان کر دیا اور یہی سادگیٔ بیان شگفتہ کے شاعرانہ اسلوب کی شناخت ہے۔مثلاً

دل کو اپنے گمان تھا بے حد
وہ منانے تو ہم کو آئیں گے
جو راتوں کو ہم نے بہائے ہیں آنسو
تو دل کا ذرا بوجھ ہلکا ہُوا ہے
ہم نے تو کبھی اُن کو ایسے نہیں ستایا
پوچھے کوئی شگفتہ وہ کیوں ستا رہے ہیں

سادہ لہجے میں گہری بات کہنے میں بھی شگفتہ کو کمال حاصل ہے۔اُس کو پھولوں سے خاص نسبت ہے....اور پھولوں میں باس بھی کب تک محض غزلوں ہی میں نہیں یہ سادگیٔ بیان شگفتہ کی نظموں میں بھی نمایاں ہے۔''سلسلہ'' میں کہتی ہیں ہماری الفت کا سلسلہ تو....چند روز کی ہی کہانی ہے....پر سچ بتاؤں مجھے لگتا ہے ایسے....کہ جیسے یہ بات بہت ہی پرانی ہے۔خواب زندگی کی علامت ہوتے ہیں اور آنکھیں باطن کا آئینہ۔ جو آنکھیں عالمِ بیداری میں خواب دیکھنے کی عادی ہوتی ہیں وہ زندگی کے تجربات، مشاہدات اور محسوسات کے زیرِ اثر مختلف کیفیات سے گزرتی ہیں، یہ خواب شگفتہ کی ذہنی و قلبی واردات کے غماز ہیں، وہ خواب جو طاقت بن جاتے ہیں تو حیاتِ نو عطا کرتے ہیں اور اگر کمزوری بن جائیں تو ان کی کرچیاں دل میں پیوست اور آنکھوں میں چبھنے لگتی ہیں اور حساس دل تڑپ اُٹھتا ہے تب'' جاگتی آنکھوں کے خواب'' تخلیقی سطح پر اُجاگر ہوتے ہیں۔جاگتی آنکھوں کے سارے خواب....جن کو سوچ کر....مجھ میں میری زندگی لوٹ آئی تھی....وہ اَدھورے ہی رہے....اور دے گئے دل کو عذاب....جاگتی آنکھوں کے خواب....شگفتہ کی خواب آشنا آنکھوں میں خوابوں نے بسیرا کر لیا ہے۔یہی سبب ہے کہ خواب شگفتہ شفیق کی شاعری کا استعارہ ہی نہیں بنیاد بھی ہیں، جو کبھی دھنک رنگوں سے آراستہ ہوتے ہیں تو کبھی محرومی کے حصار میں شکستگی کی علامت بن کر ابھرتے ہیں۔گویا ان خوابوں کے حوالے سے شگفتہ متضاد کیفیات میں مبتلا رہتی ہیں۔ جب ہی تو کبھی وہ کہتی ہیں....ہم نے خوابوں کو بیچ ڈالا ہے....جاگتا وقت ہے اذیت کا کبھی خوابوں سے فرار حاصل کرنے لگتی ہیں۔

میں بھلا ایسا خواب کیوں دیکھوں....جس کی تعبیر مل نہ پائے مجھے جب مایوسی کی انتہا کو پہنچتی ہیں تو کہ اُٹھتی ہیں۔خوابوں پہ بھی لگا دو پہرہ ....زندگی بنا دو جیسے صحرا....اور جب یہی خواب زندگی کی علامت بن جاتے ہیں تو شگفتہ خود کو زندگی کے قریں پاتی ہیں اور بے ساختہ کہتی ہیں کہ آنکھوں میں شگفتہ ہوں، سنہرے سے کئی خواب۔بھیگیں کبھی بارش میں، کبھی دیپ جلائیں شگفتہ کی نظم'' اَدھورا خواب'' ایک مکمل داستان ہے۔غضب کی روانی اور تسلسل ہے

میری زندگی کا حاصل.... وہ ادھورا خواب میرا
جسے جاگ جاگ دیکھا....وہ ہواؤں میں ہے بکھرا

جو کبھی ہُوا نہ پورا...تو ہنسی کی جگہ دل میں....کوئی چپ اُتر گئی ہے یہ اشعار ملاحظہ کیجیے۔

مجھ کو دی جاگنے کی اُس نے سزا....میرے خوابوں کو بیچ ڈالا ہے
دسمبر کے آنے پر ہم نے کیا کیا خواب سجائے تھے
کیا معلوم تھا ظالم کے وہ سارے خواب پرائے تھے

خوابوں کے بکھر جانے سے اگر شگفتہ کی اُمید ٹوٹتی ہے تو خوش اُمیدی بھی اُن کا دامن تھام لیتی ہے۔

اُمیدوں سے دامن میرا بھر گیا....وہ موتی ستارے سب ہی جڑ گیا

وہ جن کے چلے جانے سے ویران نگر ہے۔کیا خوب سماں ہو جو بہاریں وہ پلٹ آئیں۔

آنکھوں کے ساگر میں اپنی....اُمیدوں کے دیپ جلانا

شگفتہ کی ایک بڑی خوبی اپنی شاعری میں متحرک نظر آنا بھی ہے یہی سبب ہے کہ آپ کے ظاہری و باطنی روّیوں کا عکس آپ کی شاعری میں نمایاں ہے۔

عاجزی و انکساری شگفتہ کی طبیعت کا خاص رنگ ہے ۔اپنے حمدیہ کلام کے آخری شعر میں کہتی ہیں۔

میری فکر کب اُس کی رفعت کو پہنچی
شگفتہ کہاں میں، کہاں لن ترانی

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کس سلیقے اور سادگی سے ادا کرتی ہیں۔

کسقدر مہرباں ہے مجھ پر خدا
اپنی قسمت پہ پیار آتا ہے
زندگی مجھ میں لوٹ آئی ہے
زندگی پھر سے مسکرائی ہے

شگفتہ کی نظم الحمدللہ بلاشبہ جذبۂ تشکر سے معمور ہے۔چند اختتامی مصرعے ملاحظہ فرمایئے ۔ یہ پڑھ کے تو میری آنکھیں کچھ گیلی سی ہوگئی ہیں بہتے ہیں میرے آنسو پر خوشی سے بھر گیا ہے دل خدا کا فضل ہے مجھ پر بیشک شگفتہ پر اللہ کا فضل سایہ فگن ہے۔

مجھے تُونے بخشی ہے دنیا کی نعمت
خدایا ہے تیری بڑی مہربانی

اور ان بے پایاں نعمتوں میں سے ایک انمول نعمت حرمین شریف کی زیارت بھی ہے شگفتہ نے سرکار ﷺ کے دربارِ عالیہ پر حاضری دی تو اِن رُوح پرور اور پر کیف لمحات کو کیسے جذب سے بیان کیا ہے۔حسنِ ترتیب کا جواب نہیں کیسے قرینے اور سادگی سے کہا کہ۔

نبیؐ کے در پہ جا کے ہر کوئی آنسو بہاتا ہے
درودوں سے پھر اک پُر کیف سی محفل سجاتا ہے

کس کمال کی منظر نگاری ہے کہ عشاق محض پڑھ کر ہی خود کو اس منظر کا حصہ بنا محسوس کرتے ہیں، سرکار ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کی تڑپ اور لگن بڑھ جاتی ہے۔

شگفتہ کا خمیر محبت سے اُٹھا ہے، محبت سے سرشار آپ کا دل محبت لے کر خوش ہوتا ہے تو دے کر بھی خوشی اور طمانیت محسوس کرتا ہے۔ہر عورت کی طرح شگفتہ شفیق کو بھی اپنے گھر سے عشق ہے۔گھر اور گھر والے آپ کی زندگی کا محور ہی نہیں آپ کی شاعری کا حصہ بھی ہیں۔مثلاً یہ شعر جو آپ کے جذبوں کا امین ہی نہیں اس میں آپ کا تجربہ بھی بول رہا ہے۔اپنے گھر میں اپنے ہاتھوں سے لگائے پھولوں کے ننھے پودوں کو تناور درخت بنتا دیکھ کر شگفتہ خوشی سے جھوم اُٹھتی ہیں۔

گھر میں پھولوں کو کاشت کرتی ہوں
اب زمانہ نہیں ہے وحشت کا

عملی زندگی میں بھی شگفتہ کا پھول سا لہجہ دلوں کو تسخیر کر لیتا ہے اور یہی آپ کی شاعری کا پیغام بھی بن جاتا ہے۔

میٹھی زبان سے آپ کی بنتے ہیں سبھی دوست
کہتا ہے کون اُس کو حلاوت نہیں پسند

اور آپ کی خواہشات بھی اسی دائرے کے گرد گھومتی ہیں

پھوار اُلفت کی ،گل مسرت کے
ہم نے کیا اور اُس سے چاہا تھا

زندگی کی محرومیوں کو کس درد سے بیان کیا ہے

اب سنبھلتا نہیں ہے دلِ مضطر
جب سے ماں باپ ملکِ عدم کو گئے

خوشیوں کے لیے غلط راہ کا انتخاب کرنے والوں کی رہنمائی کیسے پیار سے کرتی ہیں۔

پیار سے کیجیے جہاں طابع....آزمائیں نہ جادو ٹونے کو

شگفتہ کی فطرت، مزاج اور طبیعت کے کئی رنگ آپ کی شاعری میں ہویدا ہیں بہت سارے سمجھوتے زندگی میں ہیں اُس کی....ہنس مکھی شگفتہ بھی درد و غم کی ماری ہے۔

نہیں اس کو آنسو بہانے کی عادت....ہمیشہ شگفتہ تو ہنستی رہی ہے

لٹا دو جہاں میں، جو چاہو اُڑا دو....میرے واسطے تم فقط پھول لانا

میری جانب سے اُس کو کبھی بھی غم نہ پہنچے۔خدا کرے نہ دکھاؤں کبھی میں دل اُس کا ہم دوسروں کی چارہ گری میں لگے رہے....اپنا اُنہیں بنانے کا موقع نہیں ملا قربِ الٰہی اور اللہ کے احکامات کی روشنی میں اعلیٰ ظرفی اور وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ناروا سلوک کرنے والوں کو معاف کر دینا اور اس عمل سے گزرتے ہوئے جو دلی طمانیت محسوس ہوتی ہے ''معافی'' اول تا آخر اس کا اظہار ہے۔یُوں تو شگفتہ بہت بہادری اور ہمت سے ہر چھوٹی بڑی آزمائش کا مقابلہ کرتی ہیں لیکن کبھی کبھی اُن کے لہجے میں تھکن در آتی ہے۔

کتنی آسان زندگی تھی کبھی۔۔۔۔اب تو سانسیں بھی بوجھ لگتی ہیں
یہ فسانہ عجیب ہے لوگو۔۔۔خوشیاں بچ بچ کے ہم سے چلتی ہیں

زندگی اور اپنوں کے بے مہر رویے پر اگر دکھ
کا اظہار کرتی ہیں تو خود کو تسلی بھی دیتی ہیں یہ
تو پھولوں کے ساتھ ہوتے ہیں
ایسے کانٹوں سے کیوں ڈریں یارو

شگفتہ محبت کی علامت ہیں خود بھی بے لوث اور ٹوٹ کر محبت کرتی ہیں اور لا شعوری طور پر جواب میں ایسی ہی پر خلوص محبت کی آرزومند بھی ہوتی ہیں لیکن جب اپنوں کی بے مہری اُن کا آئینۂ دل پاش پاش کرتی ہے تو یہ دکھ آپ کے شعروں میں ڈھل جاتا ہے۔

میرے اپنے تو ملنے آتے ہیں۔۔۔۔لے کے نشتر مجھے چبھونے کو
یہ آنسوؤں کے خزانے یہ جاگتی آنکھیں۔تیرے دیے ہُوئے تحفے کدھر چھپاؤں گی
سنا ہے کہ کہتے ہیں میرے مہربان۔۔۔کبھی بھی رہی ہم میں قربت نہیں ہے
ہنستے ہُوئے جو مجھ پہ کوئی چوٹ کر گیا۔۔۔اُس کی ادا نے کر دیا سینہ میرا فگار
زندگی کی تلخیوں نے مجھ کو کڑوا کر دیا۔۔۔۔کچھ شگفتہ اس کا حل، کچھ تو مداوا چاہیے

شگفتہ نے چند نظمیں بھی اپنوں کی بے مہری کے زیرِ اثر تخلیق کی ہیں۔حقیقت، عطا، تنہا ہے زندگی قابلِ ذکر ہیں۔اگر شگفتہ کو اپنوں کی بے مہری کا دکھ ہے تو اُن کے منافقانہ رویے بھی بہت کھلتے ہیں۔

بے وفائی کر کے تو سب ہی منہ چھپاتے ہیں
جھوٹ موٹ کہتے ہیں اپنی اب بھی یاری ہے
خلوتوں میں ہم پہ کیسے جان دیتے ہو تم ہی
محفلوں میں ہم سے یوں نظریں چرانا ہے بُرا

سماجی و معاشرتی ناہمواری بھی شگفتہ کا خاص موضوع ہے سو ان رویوں کی نشاندہی کرتی ہوئی کہتی ہیں۔

مطلبی سارا زمانہ خود غرض دنیا ہے یہ
جیسے بھی ممکن ہو اپنا کام نکلوایئے
ہم نے کیا شگفتہ اُن کا لیا
یہ لوگ بھلا کیوں جلتے ہیں

طنزیہ لہجہ بھی کمال کا ہے، بڑے سلیقے سے محبت کے بلند و بانگ دعویداروں کو آئینہ دکھایا ہے

یہ رنگ و خوشبو ستاروں کی بات کون کرے
تُو اپنا چھوٹا سا پیماں نباہ نہیں سکتا
اک ملاقات کا تقاضہ تھا
گزری باتوں کا بس اعادہ تھا
زندگی اُس کی خوب گزری ہے
جو میرے بن ادھورا آدھا تھا
ہاتھ میرا بھنور میں چھوڑ گیا
ساتھ رہنے کا جس کا وعدہ تھا
کہانی وفا کی سنائی جو ہم نے
بھری بزم میں اُن کا رنگ اُڑ گیا
کہیں کہیں احتجاج کی لے بھی سنائی دیتی ہے
کہ میرے ساتھ تمہیں بھی سزا ملے کوئی
بلانے مجھ کو جو آؤ تو ٹال کر دیکھوں

اختصار و جامعیت شگفتہ کے کلام کی ایک اور صفت ہے کبھی ایک شعر میں اور کبھی محض ایک مصرعے میں مکمل داستان موجود ہے۔مثلاً

یادیں لوٹ آتی ہیں بارشوں کے موسم میں

یا

سناٹا تیری روح کے اندر مہیب ہے
یوں گنہ کی سزا ملے گی تجھے۔۔۔شرمساری سدا رہے گی تجھے
میں نے خود کو بدل کر دیکھ لیا۔۔۔زندگی میں ہی مر کے دیکھ لیا

شگفتہ شفیق کی ایک نہیں کئی غزلیں چھوٹی بحر میں ہیں اور یہ تمام غزلیں اپنے موضوع، مزاج، لہجے اور فکری اعتبار سے بہت وسعت رکھتی ہیں۔مثلاً

میں بھلا کیسے بھول پاؤں گی۔۔۔یہ محبت یہ مہربانی تیری
آپ کا اعتبار جاتا رہا۔۔۔چاہتوں کا خمار جاتا رہا
تیرا عکس و خیال کچھ بھی نہیں۔۔۔پھر بھی حصے میں میرے رسوائی
ستم ہیں محبت کے یا پھر کرم۔۔۔کہ دل میں لگی جا کے یہ دل لگی
عشق محبت روگ پرانا۔۔۔چاہا تھا دامن کو بچانا

تم سے ملنے کے بعد ایسا لگا....میں نے دل کی مراد پائی ہے

شگفتہ کے کلام میں ندرتِ خیال بہت بھلی لگتی ہے

جس کا سودا تھا شگفتہ سر میں....اُس کی چوکھٹ پر سر کو پھوڑ دیا

بھلانے میں تم کو فقط یہ ہُوا ہے....کہ اندر میری روح مرتی رہی ہے

یہ عشق ایسا روگ ہے، پل بھر نہیں ہے چین....دل ہے مریض، عقل بیچاری طبیب ہے۔

شگفتہ نے نئی نئی اصطلاحات بھی وضع کی ہیں جو نہایت سادہ اور عام فہم ہیں۔

وہ کہ رہے تھے سرِ بزم اور ہم نے سُنا....ملے اشارہ تو قسمت اُجال کر دیکھوں

زہے نصیب شگفتہ میں جیت لوں اُس کو....تو اپنے بخت کا سکہ اُچھال کر دیکھوں

جب ملا نہ ہمیں آج کاندھا تیر....تو اُداسی کے شانوں پہ ہم سو گئے

تیری یادوں کا ابر آتا ہے....روز تکیہ میرا بھگونے کو

ہمیشہ خدا نے سنبھالا ہے اس کو....مصائب میں یہ ناؤ چلتی رہی ہے

اتنی خوشی ہُوئی ہے آنے سے اُن کے من کو

پھولوں کی بات چھوڑیں ہم دل بچھا رہے ہیں

ہم کو ایسے بھول جائے گا کبھی سوچا نہ تھا۔اجنبی نظروں سے اُس کی دل پہ سکتہ چھا گیا

کسی صورت جو کم نہیں ہوتی....تم نے کیسی لگن جگائی ہے

شگفتہ کے رومانوی کلام میں وضع داری نمایاں ہے۔نسائیت کے اظہار میں آب بے باکی سے گریز کرتی ہیں، بڑے قرینے سے دل کی بات کہ جاتی ہیں باوقار سادگی آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

تیری باتوں سے مجھے تو تازگی ملتی رہی۔تیری چاہت سے مرے دل کی کلی کھلتی رہی۔

موسمِ گل جیسے میرے بام پہ ہی رک گیا....تیرے میٹھے بول سُن کے زندگی ملتی رہی میں تر و تازہ ہوئی سرسبز میری زندگی....سبز موسم کی ہوا چھو کر مجھے چلتی رہی

جب بھی سوچوں تجھے میرے ساجن....مجھ پہ جیسے بہار چھاتی ہے

شگفتہ سا چہرہ مہکتا ہے من میں....کہ جیسے چمن میں کوئی گل کھلا ہے

محاوروں کا استعمال بڑے سلیقے سے کیا ہے۔

زندگی تو فانی ہے سب ہی لوٹ جائیں گے۔آج وہ گئے آگے کل کو اپنی باری ہے سب کوششیں بھلانے کی ناکام ہوگئیں

اُس نے تو میرے دل میں ہی گھر کر لیا ہے اب

نیکی کر دریا میں ڈال....یہ تو بات پرانی ہے

محب وطن شگفتہ چونکہ فطرتاً صلح جُو ہیں اسلیے ملکی سطح پر بھی وہ جنگ و جدل سے دور امن کے خواب خود بھی دیکھتی ہیں اور اپنے قارئین کو بھی دکھاتی ہیں۔

بچھڑے لوگوں کو ملائیں تو کوئی بات نہیں۔امن کا خواب دکھائیں تو کوئی بات بنے

وہ تو ہنستے ہوئے گلشن سے گزر جاتے ہیں۔وحشتوں سے جو بچائیں تو کوئی بات بنے

جنگ کے خوف سے دل ڈوب گیا ہے اپنا

پیار کی جوت جگائیں تو کوئی بات بنے

شگفتہ کی موضوعاتی نظمیں زور آور ہیں۔اس ضمن میں برسات، ساون، جو تم کو دیکھوں تو عید ہو جائے، ساون کی شام، عید کارڈ، عید کا چاند، آنکھ میں ساون اور سہاگن قابلِ ذکر ہیں۔بھوجا ایئر لائن ایئر کریش بہت اثر انگیز ہے۔آپ کی نظم ''عزم'' جذبۂ حب الوطنی کی بہترین مثال ہے۔شگفتہ کی نظمیں مختلف موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں غم دوراں و غمِ جاناں دونوں کے اظہار میں ندرت ہے۔غیر ضروری طوالت سے گریز کیا ہے۔با اعتبارِ مجموعی شگفتہ شفیق کی شاعری اُن کی زندگی کے تجربات، مشاہدات اور محسوسات کا نچوڑ ہے۔زندگی کے رنگ خواہ طربیہ ہوں یا المیہ آپ نے بڑے سلیقے سے انہیں اپنی شاعری میں سمو دیا اور اس میں بڑا کمال شگفتہ کی تازہ کاری کا بھی ہے۔ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ جذبوں کی شدت کے بیان میں کہیں بھی عامیانہ پن یا سطحیت نظر نہیں آئی۔

وضع داری شگفتہ کے کلام کا وصف ہی نہیں شناخت بھی ہے''جاگتی آنکھوں کے خواب'' ایک ایسی باوقار شاعرہ کی تخلیقی کاوش ہے جو اپنی عزتِ نفس کے ساتھ ساتھ لفظوں کی حرمت کا بھی پاس رکھتی ہے۔

مجموعی طور پر''جاگتی آنکھوں کے خواب'' کا ہر مصرعہ حسرت موہانی کے اس خیال کی شہادت دیتا نظر آتا ہے کہ شعر در اصل وہی ہیں حسرت....سنتے ہی جو دل میں اُتر جائیں اور شگفتہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اُن کی''جاگتی آنکھوں کے خواب'' زبان و بیان کی سادگی کے سبب قارئین کے دل میں اتر گئے۔

طویل عمر و صحت کے لئے ورزش آکسیجن کی طرح ضروری ہے

عاصی صحرائی

فلپ امریکہ میں میرا گائیڈ تھا' میں نے اس کے ساتھ امریکہ کی چھ ریاستوں میں سفر کیا' وہ مجھے ورجینیا لے کر گیا۔ اس نے مجھے نیو یارک' ٹیکساس' واشنگٹن' فلوریڈا اور کیلیفورنیا بھی دکھایا' ہم 25 دن اکٹھے رہے' میں نے جب واشنگٹن میں فلپ کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا تو مجھے بہت مایوسی ہوئی' وہ ایک کمزور بوڑھا تھا اور ذرا سا بیمار بھی دکھائی دیتا تھا' میرا خیال تھا وہ شاید ہی واشنگٹن سے باہر نکل نہ سکے اور اس کے بعد مجھے ایک مردے کے ساتھ سفر کرنا پڑے گا لیکن جب ہم نیو یارک پہنچے تو میں فلپ کی چستی' معاملہ فہمی' وقت کی پابندی اور ان تھک شخصیت پر حیران رہ گیا' وہ پیدل چلتے ہوئے ہمیشہ مجھ سے آگے نکل جاتا تھا اور اس کی سانس تک نہیں پھولتی تھی' میں ائیر پورٹس پر اپنا سامان پوٹرز کے حوالے کر دیتا تھا جبکہ وہ اپنے دونوں بیگ خود اٹھاتا تھا' مجھے آدھ گھنٹہ چلنے کے بعد ریسٹ کی ضرورت پڑتی تھی جبکہ فلپ بغیر رکے' بغیر دم لئے چلتا رہتا تھا' وہ صبح سوا چھ بجے آنے کا وعدہ کرتا تھا تو ٹھیک چھ بج کر 14 منٹ پر وہ میرے دروازے پر کھڑا ہوتا تھا' اس نے 25 دنوں میں مجھے کبھی کسی فلائیٹ' کسی ٹرین سے لیٹ نہیں ہونے دیا اور وہ صبح سے رات تک بلا تھکان میرے ساتھ گھومتا تھا' میں اس کی ایفی شینسی پر حیران تھا' میں نے ایک بار اس سے عمر پوچھی تو وہ مسکرایا اور دھیمے لہجے میں بولا ''79 سال'' میں نے اس کی گزری ہوئی زندگی کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا۔

اس کا بائیو ڈیٹا بہت دلچسپ تھا' اس نے 15 سال کی عمر میں ایک ریستوران پر کام شروع کیا تھا' وہ شام کو کام کرتا تھا اور دن میں سکول جاتا تھا' اس نے نوکری کے ساتھ ساتھ گریجویشن کی' یونیورسٹی گیا' وہاں سے پی ایچ ڈی کی اور پڑھانا شروع کر دیا' پانچ سال پڑھایا اور پھر ایک فرم میں ملازمت کر لی' ملازمت چھوڑی اور اپنا کاروبار شروع کر دیا' کاروبار سے وہ سیاست میں آیا اور فلوریڈا کی پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہو گیا' پارلیمنٹ کی مدت ختم ہوئی تو وہ فارن سروس میں چلا گیا' اس نے اس سروس میں رہ کر لبنان' سوڈان' ایران اور پاکستان میں کام کیا' وہ 4 سال کراچی رہا' فارن سروس چھوڑنے کے بعد اس نے این جی او بنالی اور جب این جی او چل نکلی تو اس نے واشنگٹن میں ٹور

آپریٹنگ فرم بنا لی' مجھے اس وقت پتہ چلا میں جس فرم کے ذریعے امریکہ کی سیر کر رہا ہوں وہ اس فرم کا مالک ہے' میرے لئے یہ خبر انکشاف کی حیثیت رکھتی تھی' میں نے اس سے پوچھا ''تم مالک ہو کر میرے ساتھ دھکے کیوں کھا رہے ہو؟'' اس نے قہقہہ لگایا ''میں سال میں ایک بار گائیڈ کا کام بھی کرتا ہوں' اس سے میری استطاعت بھی بڑھتی ہے' میری معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور مجھے سیاحوں کی خواہشات اور ضروریات کا بھی اندازہ ہوتا ہے یوں میں اپنے تجربات کی روشنی میں اپنی کمپنی کے کام میں تبدیلیاں لاتا رہتا ہوں''

میں نے ایک دن فلپ سے پوچھا ''تم چار سال پاکستان میں کام کر چکے ہو' تم اپنے تجربے کی روشنی میں بتاؤ کیا پاکستان کبھی ترقی کر سکتا ہے'' اس نے ذرا سا سوچا اور مسکرا کر بولا ''ہاں لیکن ایکسر سائز کے ساتھ' اگر تم لوگ ورزش شروع کر دو تو تم کمال کر سکتے ہو' میرے لئے اس کا جواب بم بلاسٹ تھا' وہ مسکرایا ''تم میرے جواب کو غیر سنجیدہ سمجھ رہے ہو لیکن میں انتہائی سنجیدہ ہوں' میں ایکسر سائز نہیں کرتا تھا' میں 6 گھنٹے ریستوران پر کام کرتا تھا اور دس گھنٹے پڑھتا تھا لہٰذا میرے پاس ورزش کیلئے وقت نہیں بچتا تھا' میں پڑھائی کے بعد جاب میں مصروف ہو گیا' وہاں بھی مجھے وقت نہیں ملتا تھا لیکن جب میں پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہوا تو مجھے معلوم ہوا ہماری پارلیمنٹ کے تمام ارکان روزانہ ورزش کرتے ہیں' فلوریڈا کی پارلیمنٹ میں 160 ارکان تھے' ان میں سے 132 مختلف ''جمز'' کے ممبر تھے جبکہ 28 ایک گھنٹہ روزانہ جاگنگ کرتے تھے' مجھے وہاں جا کر علم ہوا امریکہ کی تمام ریاستوں کے 98 فیصد ارکان پارلیمنٹ اور سو فیصد سیاستدان ورزش کرتے ہیں اور جو شخص سیاست میں آنے کے بعد ایکسر سائز نہیں کرتا اسے سیاست میں سنجیدہ نہیں سمجھا جاتا' میں نے ذرا

سی تحقیق کی تو پتہ چلا امریکی عوام کا خیال ہے جو سیاستدان اپنے آپ کو اہمیت نہیں دیتا اس کے پاس ملک اور حلقے کے لوگوں کیلئے بھی وقت نہیں ہوتا چنانچہ امریکہ میں سیاست کا آغاز انسان کے اپنے وجود سے ہوتا ہے' شاید یہی وجہ ہے امریکہ کا ہر سیاستدان ورزش کا پابند ہے' تم ہمارے صدر بل کلنٹن (اس وقت کلنٹن امریکہ کے صدر تھے) کو دیکھو' کلنٹن روزانہ ڈیڑھ گھنٹے جاگنگ کرتے ہیں' اس وقت صدارت کے تین بڑے امیدوار ہیں' جارج بش' جان کیری اور الگور' یہ تینوں ورزش کے عادی ہیں' بش دن میں تین بار ایکسر سائز کرتے ہیں' وہ مہینے کے تین دن اپنے فارم ہاؤس پر گزارتے ہیں' وہ اپنے ہاتھ سے لکڑیاں کاٹتے ہیں' زمینوں میں ٹریکٹر چلاتے ہیں' جانوروں کا دودھ دھوتے ہیں اور پودوں کو پانی دیتے ہیں' الگور کو پیا ہیں' وہ کوہ پیمائی کرتے ہیں اور جان کیری جاگنگ کرتے ہیں۔

لہٰذا میں نے دوسرے سیاستدانوں کی پیروی میں ورزش شروع کر دی' میں نے سیاست کے بعد کاروبار شروع کیا تو پتہ چلا امریکہ کے بزنس مین سیاستدانوں سے زیادہ ورزش کے پابند ہیں' اس وقت امریکہ میں 1000 بڑے بزنس مین ہیں' ان میں سے چار سو ارب پتی ہیں' پوری دنیا میں سب سے زیادہ ارب پتی امریکہ میں پائے جاتے ہیں اور یہ تمام ارب پتی نو دولتیے ہیں' ان میں کوئی ایسا شخص نہیں جو تیسری نسل سے امیر ہو' یہ سب پہلی اور دوسری نسل کے اُمراء ہیں لہٰذا ہم ان تمام ارب پتیوں کو سیلف میڈ کہہ سکتے ہیں' اس وقت دنیا کے 14 بڑے ادارے امریکہ کے ارب پتیوں پر تحقیق کر رہے ہیں' وہ ان کی مشترکہ عادتیں معلوم کرنا چاہتے ہیں' مجھے چین کے ایک ادارے کی تحقیق پڑھنے کا اتفاق ہوا' اس نے امریکہ کے 1000 کامیاب بزنس مینوں کی عادتوں کا چارٹ بنایا' اس چارٹ کے مطابق ان لوگوں میں 23 عادتیں مشترک تھیں' تم شاید یہ جان کر حیران ہو جاؤ ان 23 عادتوں میں پانچویں عادت ورزش تھی' امریکہ کی ہزار بڑی کاروباری شخصیات ورزش کی عادی ہیں لہٰذا جب میں کاروبار کی دنیا میں داخل ہوا تو مجھے پتہ چلا ورزش کے بغیر کوئی شخص اچھا بزنس مین نہیں بن سکتا چنانچہ میں نے روزانہ ایک گھنٹہ جاگنگ شروع کر دی اور آدھ گھنٹہ مسلز ٹریننگ' اس کے بعد میں آج تک روزانہ ورزش کرتا ہوں اور مہینے کے آخری دو دن کسی پہاڑ پر گزارتا ہوں' میں وہاں کیمپنگ کرتا ہوں' پیدل چلتا ہوں اور فطرت کے ساتھ 48 گھنٹے گزار کر واپس آ جاتا ہوں' یہ اسی ورزش کا کمال ہے میں 79 برس کی عمر میں بھی فٹ ہوں' مجھ میں تم سے زیادہ توانائی ہے'' وہ خاموش ہو گیا۔

ہمارے درمیان بڑی دیر تک خاموشی کا وقفہ رہا' وہ دوبارہ بولا'' قوموں کی ترقی سیاست اور معیشت پر استوار ہوتی ہے اور اس کیلئے سیاستدانوں اور بزنس مینوں کا صحت مند' مثبت اور فعال ہونا ضروری ہوتا ہے' امریکہ کے تمام سیاستدان اور بزنس مین صحت مند بھی ہیں اور فعال بھی لہٰذا ہم دنیا کی سب سے بڑی سیاسی اور اقتصادی قوت ہیں' تم اگر ہماری طاقت کے پیچھے جھانک کر دیکھو تمہیں اس میں ورزش نظر آئے گی' اس وقت دنیا میں ورزش کی سب سے زیادہ مشینیں امریکہ میں خریدی جاتی ہیں' دنیا میں سب سے زیادہ ٹریک سوٹ' جاگرز اور ٹی شرٹس امریکہ میں بکتی ہیں اور دنیا میں سب سے زیادہ فوڈ سپلی منٹس امریکہ میں لئے جاتے ہیں' امریکہ دنیا کا واحد ملک ہے جس میں ورزش انڈسٹری کی شکل اختیار کر چکی ہے' امریکہ میں سینکڑوں کمپنیاں ورزش کے نئے آلات اور نئی ورزشیں ایجاد کر رہی ہیں' دنیا میں سب سے زیادہ جم امریکہ میں ہیں اور امریکہ دنیا کا واحد ملک ہے جس میں ورزش کیلئے باقاعدہ ٹیلی ویژن چینل ہیں' جس میں ورزش کرانے کے کلبز اور کمپنیاں ہیں لہٰذا یہی وجہ ہے ہم دنیا سے بہت آگے ہیں جبکہ میں نے پاکستان میں ایسا نہیں دیکھا' میں کراچی کے ایک پارک میں جاگنگ کرتا تھا' مجھے اس پورے پارک میں کوئی دوسرا شخص دکھائی نہیں دیتا تھا' میں نے اپنے چار سالہ قیام میں پاکستان کے سیاستدانوں اور بزنس مینوں کو جتنا سست اور بیمار دیکھا اتنا مجھے دنیا کا کوئی دوسرا بزنس مین اور کوئی دوسرا سیاستدان دکھائی نہیں دیا' تم پاکستان جاؤ اور جا کر تحقیق کرو تمہارے ملک کے کتنے سیاستدان اور کتنے بزنس مین ورزش کرتے ہیں' مجھے یقین ہے تمہیں مایوسی ہو گی لہٰذا جس ملک کا سیاست دان اور بزنس مین اپنے ساتھ وفادار نہ ہو' جس کا رویہ خودکش ہو وہ ملک کیسے ترقی کر سکتا ہے' ترقی کیلئے مثبت سوچ کی ضرورت ہوتی ہے اور ورزش کے بغیر کسی شخص کی سوچ مثبت نہیں ہو سکتی'' اس نے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر پوچھا'' تمہاری عمر کتنی ہے'' میں نے مسکرا کر جواب دیا'' 35 برس'' اس نے قہقہہ لگایا اور اپنے بازو پر ہاتھ پھیر کر بولا'' جس ملک کا 35 برس کا نوجوان مجھ جیسے 79 سال کے بوڑھے کے ساتھ پیدل نہ چل سکتا ہو وہ ملک جدید دنیا کے چیلنجوں پر کیسے پورا اترے گا' وہ ترقی کے سٹیڈیم میں آگے کیسے بڑھے گا''

نفیس زکریا کو سلام!

اے حق لندن

چند ہفتوں سے اذیت ناک حادثات کی تعداد میں گھناؤنا اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔اپنے ہی اپنوں کو لوٹنے کی خاطر اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آئے ہیں۔پیسے کی ضرورت نے پاکستانیوں کو اندھا کر دیا ہے جس کا نتیجہ اس حد تک خوفناک ہے کہ پاکستانی ہونا ایک طرف، انسان کو انسان ہونا معیوب لگنے لگا ہے۔ترکی کے بارہ میں چند ہفتے قبل یہ خبر عام ہوئی کہ ترکی کے لوگ پیدل راستہ سے یورپ جانے والے پاکستانیوں کو اغواء کر کے تاوان کی رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔اس خبر نے نہ صرف پاکستانیوں کو حیران کیا بلکہ ترکی کے لوگوں کو بہت حیرانی اور پریشانی ہوئی۔کیونکہ ترکی میں پاکستانیوں کے ساتھ یہ سلوک ہوا ایسا کسی نے کبھی سوچا ہی نہیں۔اس واقعہ سے دونوں ممالک کے تعلقات نہ صرف خراب ہونے کا خدشہ تھا بلکہ دونوں قوموں کے لئے یہ خطرہ پیدا ہوتا چلا جا رہا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کو ناپسند کریں گے۔ترکی میں اغواء کئے جانے والے پاکستانیوں کی ویڈیوز نے نہ صرف دونوں ملکوں بلکہ پوری دُنیا میں دونوں ملکوں کے آپس کے رویہ کی ایسی شکل بگاڑی جس سے ہیومن رائٹس والے بھی سوچ میں پڑ گئے کہ یہ انسانوں کا کام ہے یا جانوروں کا۔تشدد کا نشانہ بننے والے پاکستانیوں کی ویڈیوز اور آہ و پکار نے ایک بار یورپ جانے کے خواہشمندوں کو وارننگ جاری کر دی کہ ہوش کے ناخن لیں۔

پاکستان میں ایک بحث نے آجکل زور پکڑا ہوا ہے کہ پاکستانی وزارتِ خارجہ ان کارروائیوں کی ذمہ دار ہے۔مغویوں کے خاندان والے شور مچاتے ہیں کہ حکومت ہمارے بچوں کو بچائے، ہم اتنے پیسے کہاں سے دیں؟ وغیرہ وغیرہ۔سوال یہ ہے کہ کیا حکومت وقت نے اعلان کیا ہے کہ اس غیر قانونی سفر پر جائیں؟ یا وزارتِ خارجہ نے اس بات کی ضمانت دی تھی کہ اگر آپکے بچے جرم کرتے پکڑے گئے، اغواء ہو گئے، مارے گئے، گم گئے، تو ہم اس کی ذمہ داری لیتے ہیں؟ وزارتِ خارجہ نے تو کسی کو نہیں کہا کہ ایجنٹوں سے خفیہ معاہدے کریں اور خفیہ تعلقات بنائیں اور اُن پر اندھا اعتبار کر کے اپنی اولادوں کو اُنکے حوالے کر دیں۔وزارت خارجہ کے ترجمان نفیس زکریا کا چھ مغوی پاکستانیوں کی رہائی میں کردار اسی طرح ہے جیسے ماں کا بچے کو جنم دینے میں کردار ہو۔نفیس زکریا کو میں ذاتی طور پر تب سے جانتا ہوں جب وہ برطانیہ میں تھے۔اگر ایک سچے پاکستانی، وفادار، ایماندار اور اخلاقاً یا کسی بھی لحاظ سے خوبصورت انسان کو دیکھنا چاہتے ہیں تو میں کہوں گا نفیس زکریا کو دیکھیں۔ملک و قوم کے لئے درد رکھنے والا ایسا شخص میں نے کبھی نہیں دیکھا۔میں ذاتی طور پر کئی بار اُن سے ملاقات کا شرف حاصل کر چکا ہوں، خدا گواہ ہے میں نے کبھی اُس شخص کے اندر انّا، غرور، فخر، کبر یہاں تک کہ بدکلامی بھی نہیں دیکھی۔عاجزی اور انکساری کا ایک بہترین نمونہ ہے وہ شخص۔یہ نفیس زکریا کا ہی کمال ہے کہ ترک حکومت سے رابطہ کر کے، باقاعدہ پلان بنا کر مغوی پاکستانیوں کو بازیاب کروانے میں فوری کردار ادا کیا۔یقیناً وہ یہ جانتے ہوں گے کہ اس واقعہ کے بہت سے نقصانات ہوں گے جو دونوں ملکوں اور قوموں کے آپس کے تعلق، پیار اور محبت کو خراب کریں گے۔یہی وہ عاجزی اور انکساری ہے جس نے نفیس زکریا کو مجبور کیا کہ وہ اپنا کردار ادا کرتے ہوئے اس معاملے کو سلجھانے میں مدد کریں۔لیکن اس سارے قصے کے آخری نتائج نے نہ صرف مجھے، نہ صرف نفیس زکریا جیسے انسان کو بلکہ ہر اُس پاکستانی کو جو پاکستان سے محبت کرتا ہے ہلا کر رکھ دیا، کیونکہ وہ تمام اغواء کار پاکستانی نکلے۔یعنی پاکستانیوں کو اغواء کرنے والے، اُن پر ظلم کرنے والے، ان کی ویڈیو بنانے والے، ان کے والدین کو دھمکیاں دینے والے، ان کی سروں کی قیمت مانگنے والے پاکستانی ہی نکلے۔انتہائی افسوس!!! پاکستانی نوجوانوں اور والدین کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ یورپ ہی سب کچھ نہیں ہے۔اس قدر اس لالچ میں اندھا نہ ہوں کہ خود کو یا اپنی اولادوں کو ایجنٹوں جیسے درندوں کے حوالے کر دیا جائے۔پاکستان میں بہت کچھ ہے کرنے کو۔لیکن اپنا ذہن ایسا نہ بنائیں کہ 'کچھ نہیں پڑا پاکستان میں'۔اگر کچھ نہیں پڑا تو 20 کروڑ عوام روزانہ کہاں سے کھاتے پیتے ہیں؟ رزق دینے والے حکمران نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہے جو رزق دیتا ہے۔ورنہ ہماری نظروں کے سامنے ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جو تیس تیس سال سے یورپ میں رہ رہے ہیں لیکن اُنکے پلے آج بھی کچھ نہیں۔ہر حال میں شکر الحمدللہ کہنا ہی بہتر ہے۔

24 سوال وجواب حیات انسانی کے کا ایک جامع نقشہ آج آپ کے سامنے مسند احمد و کنز العمال کی ایک حدیث آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ایک دیہاتی حضورؐ کے دربار میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں...فرمایا کہو! دیہاتی نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سوال: میں امیر (غنی) بننا چاہتا ہوں؟

جواب: فرمایا قناعت اختیار کروں امیر ہو جاوں گے۔

سوال: عرض کیا میں سب سے بڑا عالم بننا چاہتا ہوں؟

جواب: فرمایا تقویٰ اختیار کرو عالم بن جاوں گے۔

سوال: عرض کیا عزت والا بننا چاہتا ہوں؟

جواب: فرمایا مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانا بند کروں۔

سوال: عرض کیا اچھا آدمی بننا چاہتا ہوں؟

جواب: فرمایا لوگوں کو نفع پہنچاوں۔

سوال: عادل بننا چاہتا ہوں؟

جواب: جسے اپنا لئے اچھا سمجھتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو۔

سوال: عرض کیا طاقتور بننا چاہتا ہوں؟

جواب: فرمایا اللہ پر توکل کروں۔

سوال: عرض کیا اللہ کے دربار میں خاص درجہ چاہتا ہوں؟

جواب: فرمایا کثرت سے ذکر کروں۔

سوال: عرض کیا رزق میں کشادگی چاہتا ہوں؟

جواب: فرمایا ہمیشہ باوضو رہوں۔

سوال: عرض کیا دعاؤں کی قبولیت چاہتا ہوں؟

جواب: حرام نہ کھاوں۔

سوال: عرض کیا ایمان کی تکمیل چاہتا ہوں؟

جواب: فرمایا اخلاق اچھے کرلوں۔

سوال: عرض کیا قیامت کے روز اللہ کے سامنے گناہوں سے پاک ہوکر ملنا چاہتا ہو؟

جواب: فرمایا جنابت کے فوراً بعد غسل کیا کرو۔

سوال: عرض کیا گناہوں میں کمی چاہتا ہوں؟

جواب: کثرت سے استغفار کروں۔

سوال: عرض کیا قیامت کے روز نور میں اٹھنا چاہتا ہوں۔

جواب: ظلم کرنا چھوڑ دوں۔

سوال: عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ اللہ میری پردو پوشی کرے؟

جواب: فرمایا لوگوں کی پردہ پوشی کرو۔

سوال: عرض کیا رسوائی سے بچنا چاہتا ہوں؟

جواب: فرمایا زنا سے بچو۔

سوال: عرض کیا چاہتا ہوں اللہ اور اس کے رسول کا محبوب بن جاوں؟

جواب: فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہو اسے اپنا محبوب ہو اسے اپنا محبوب بنالو۔

سوال: اللہ کا فرمانبردار بننا چاہتا ہوں؟

جواب: فرمایا فرائض کا اہتمام کروں۔

سوال: عرض کیا احسان کرنے والا بننا چاہتا ہوں؟

جواب: فرمایا اللہ کی یوں بندگی کروں جیسے تم اسے یا وہ تمھیں دیکھ رہا ہو۔

سوال: عرض کیا یارسول اللہ کیا چیز گناہوں سے معافی دلائے گی؟

جواب: آنسو....عاجزی...اور بیماری۔

سوال: عرض کیا کیا چیز دوزخ کی آگ کو ٹھنڈا کرے گی؟

جواب: فرمایا دنیا کی مصیبتوں پر صبر کر۔

سوال: عرض کیا اللہ کے غصے کو کیا چیز ٹھنڈا کریگی؟

جواب: فرمایا چھپکے چھپکے صدقہ...اور صلہ رحمی۔

سوال: عرض کیا سب سے بڑی برائی کیا ہے؟

جواب: فرمایا بُرے اخلاق... اور بخل۔

سوال: عرض کیا سب سے بڑی اچھائی کیا ہے؟

جواب: فرمایا اچھے...تواضع...اور صبر۔

سوال: اعرض کیا اللہ کے غصے سے بچنا چاہتا ہوں؟

جواب: فرمایا لوگوں پر غصہ کرنا چھوڑ دو۔

--*

کچھ باتیں کچھ یادیں

نعیم احمد راٹھور امریکہ

1975ء میں نقل مکانی نہیں بلکہ باقاعدہ ہجرت کر کے ہم ٹورونٹو پہنچے اور پہلا کام اس اچار کی پوٹلی کو ڈنکن سٹریٹ پہنچانا تھا جسے امی کے ہمسائے نے بہت تاکید سے اپنے داماد کے لئے بھیجا تھا۔ یہ پوٹلی اب تک ایک پتلون اور کچھ قمیص غارت کر چکی تھی اور خدشہ تھا کہ یہ تیل آلودہ سوغات ہمارے میزبان پھوپھا صاحب کے تعلقات میں حارج ہو سکتی ہے ہمارے بزرگوار میرٹھ سے ہیں لہجے میں کھنک ہے مگر ورڈ کا اظہار کھڑی ٹکسالی پنجابی میں ہی کرتے ہیں ۔ خیر جب میں اور پھوپھا صاحب ان کی بارہ برس پرانی کرائزلر کار میں مطلوبہ سٹریٹ پر پہنچے تو فرمایا آپ نمبر مت بولیں ہم بتاتے ہیں یہ صاحب کس مکان میں رہتے ہیں۔ دوروازہ کھٹکھٹانے پر وہی صاحب نکلے جو اچار کے مقصود تھے ،چائے سے معذرت کر کے کار میں واپس آئے اور پھوپھا صاحب کے علم غیب کے پرداد دینے سے پہلے ماحول پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ صاحبِ اچار کو چھوڑ کر ہر مکان میں خوشنما فرنٹ لائن پھولوں بھری کیاریاں چمکتا ہوا اپینٹ صاحب ستھرا ڈرائیور کھڑکیوں میں پردے وغیرہ دعوتِ نظارہ دے رہے ہیں اور موصوف کا مکان ان تمام خرافات سے فارغ محلے کو نظر بٹو سے محفوظ کر رہا ہے۔اس مجمل تمہید کے بعد علت غائی یوں ہے کہ سال بعد 1977ء میں ہم نقل مکانی کر کے مینٹن وارد ہوئے۔

1985ء میں دال خوری سے تنگ آ کر جو دلیل ہے کثرت عیال اور قلت اموال پر، ہم نے شہر چھوڑ مضافات یعنی لانگ آئی لینڈ کا قصد کیا۔منتقل ہونے کے بعد پہلا کام گھر کی نوک پلک کی درُستگی تھا وہ سب کاٹھ کباڑ جو سب کچھ پارلیمنٹ میں آزادی سے چلنے میں مانع تھا اس گھر کے پانچ میں سے دو کمروں میں سما گیا جہاں چاہے جتنے مرضی تل دھر دو۔ایک پلنگ موزوں کی نظر ہو چکا تھا اور باقی آپ سمجھ لیجئے مگر ہمارا ارادہ محکم تھا چاہے بڑی بیٹی صوفے پر سوئے ، پردے ہوں یا نہ ہوں ،ٹیبل لیمپ کے شیڈ نہ سہی مگر لان موور اور دوسرے آلاتِ زراعت کھاد بیج نرسری سے پودے وغیرہ اُدھار بھی سہی اولین مگر ترجیح مہیا کئے بالآخر خدا خدا کر کے لان اور یارڈ کی گھاس ہمسایوں سے اُنیس بیس تک ہو گئی۔امی کو بڑے فخر سے لکھا کہ آپ کی پیشگوئی اور اللہ کے فضل سے خاکسار اب لکھ پڑھ کر گھسیارا بن چکا ہے۔شامت ہمسائے کے خوف سے اب توجہ پھولواریوں اور سبزیوں کی کاشت کی طرف مبذول ہوئی ہے مگر لاشعوری طور پر میرے ذہن میں حروف اُبھرنے لگے اور گجرانوالہ کی یاد ستانے لگی۔گجرانوالہ کا جو ذکر کیا تو ہم نشین کا تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے مگر یہ آج کل کا طالبان زندہ جاھلانوالہ نہ تھا۔تقسیم کے بعد ہم لوگ زیادہ تر محلہ نانک پورہ ننھیال میں رہتے تھے۔چھ سال کی عمر میں ہمیں گرلز ماڈل اسکول میں داخلہ میں گیا۔یہ پنجاب کے اولین کوایجوکیشن ماڈرن سکولوں میں سے ہے اور اس کے فارغ التحصیل طلباء حاضرین کو چھوڑ کو بہت نام کمایا ۔سرِ دست مجھے بی بی گل شیریں شاہ گل اور شہناز گل مستحضر ہیں جن میں موخر الذکر مرحوم شاعر مصطفی زیدی سے منسوب تھیں۔خیر داخلہ کا انٹریوں میں شادی خان ہیڈ مسٹریس سے بخوبی طے پانے پر جب دفتر میں کوائف کا اندراج ہوا تو پہلے مورثی نام سے ہاتھ دھونے پڑے کیونکہ آدھی کلاس راٹھور سے ملقب تھی والد چونکہ تلاش معاش میں ملتان رہتے تھے لہذا نانا جان ساتھ تھے آپ تیس سال سے ریٹائیرڈ پولیس انسپکٹر تھے اور کلاہ خسروی سے بوئے خسروی سے بوئے کوتوالی نہیں گئی تھی تمام گھرانہ ان کے رُعب اور دبدبہ کی زد میں تھا۔ہم سب بچوں کو سکول سے واپسی پر تمام دن کی کتھا انہیں سنانا ضروری تھا۔اس روزنامچہ سے آپ نے ایک قطعہ وضع کیا جو مجھے سکول سے نکلوانے کے کافی تھا اگر فضل خدا شامل حال نہ ہوتا تفصیل اس اجمال کی یوں ہے سکول میں کوئی ورٹی شو تھا اور پنجم و ششم جماعتوں کے لڑکے لڑکیاں ڈرامہ اور نظم وغیرہ پیش کر رہے تھے۔میں حاضر تھا وہاں ضبط سخن کر نہ سکا، اور مس شادی خان کو زچ کر کے اجازت ملنے پر، بآواز بلند نانا جان کا قطعہ بلند کیا جو احوالِ واقعی پر مبنی تھا۔آپاں جی سردار...گھڑے پنج بندوق چار... رہندی گلی نمبر ہے سات...دیندی بچے ہر سال ابھی آخری انترہ حلق میں تھا کہ استانیوں کے مجمع میں ہلچل مچی اور ایک لحیم شحیم اُستانی اونچی آواز میں قسم کھاتے ہوئے اپنی

بریت کا اظہار کرنے لگیں۔ دوسری طرف بہت سی استانیوں نے آپا جی سر کو گھیرے میں لیا۔ فوجداری متوقع تھی کہ مس شادی خان نے مجھے اُچک لیا دفتر میں مجھ سے تفتیش کے بعد والدین کی طلبی کا رُقعہ بھیجا قرعہ فال چھوٹے ماموں کے نام نکالا جنہوں نے معاملہ تو رفع دفع کروادیا مگر تاحیات اس کار خیر کی بیگار وصول کرتے رہے۔ بات ہو رہی تھی ک اور غ کی اور اس کا حل یہ ہے کہ تقسیم سے قبل متحدہ پنجاب کی یونینسٹ حکومت نے زمینداروں کی تحفظ دینے کی خاطر یہ قانون بنایا کہ زرعی زمین کی ملکیت کا حق صرف مورثی کاشتکاروں کا ہوگا۔ پیشہ آبائی کاشت کاری ہی تھا غ بمعنی غیر کاشت کار اور ک بمعنی کاشت کار۔ سو ہم بھی ٹھہرے اور یہ اسی کا زور تھا جو ہمیں زمین اور زراعت کی طرف کھینچتا تھا، ہل چلانا، مٹی کھودنا، بڑے ڈلوں کو توڑنا، جھاڑ پھونس صاف کرنا قدرتی طور پر سمجھ میں آنے لگا۔ جب کیاریاں بنانے کا مرحلہ آیا تو منصوبہ بندی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ غور کرنے پر سمجھ آیا کہ جنگل اور باغ میں فرق ہے کہ جنگل خود رو نباتات سے اور باغ انسانی تدابیر، کوشش اندازہ اور انتظام سے بنتا ہے۔ زمین کا تجزیہ سنگلاخ ہے یا بھربھری مٹی ریتلی ہے یا چکنی سورج کی گردش ہواؤں کا رُخ بارش کے امکانات یا آب پاشی کا سلسلہ یہ سب اجزاء پودوں کے چناؤ اور بیج ڈالنے سے پہلے ملحوظ رکھنے ضروری ہیں۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی یا یک خیال قرآن شریف کی ان آیات کی طرف گیا جہاں نیک کام کرنے والے ایمانداروں کو باغوں کی بشارت دی گئی ہے جنہیں رواں نہریں سیراب کریں گی۔ جب نظر اس طرف دوڑائی تو زمین کے چناؤ جڑ ہوں کی مضبوطی آب حیات بخش کا برسنا خود رو عشبہ کا علاج پھولوں کے اقسام وغیرہ پر مکمل ضابطہ ہدایت موجود ہے۔ اللہ بخش آفتاب احمد خان صاحب جن کی مثال اس سمت جانے سے مانع ہے آپ نے 1970ء کے الیکشن میں ضمانت ضبط ہونے پر ایک بزرگ سے استفسار فرمایا۔ شیخ جی محفلِ رنداں میں بہت آئے گئے..خو سے مجبور تھے کچھ وعظ بھی فرمائے گئے...آخرالامر کچھ اس طرح نکلوائے گئے۔

پابہ دست دگرے دست بہ دست دگرے

"تمہاری اصل ہستی تمہاری سوچ ہے،
باقی تو صرف ہڈیاں اور خالی گوشت ہے"

مولانا جلال الدین رومی

آپ کے ضمیر سے ایک اہم سوال

☆ بتائیں وہ کون سا ملک ہے؟ جہاں ایک لٹیرا خود وزیرِ اعظم اور اُس کا بھائی چیف منسٹر، اُس کی بیٹی سوا ارب روپے کی اسکیم کی مالک، بھتیجا ڈپٹی چیف منسٹر، سمدھی وزیر خزانہ، بیوی کا بھانجا بجلی کا وزیر، سادہ لوگ پھر بھی اسے جمہوریت کہتے ہوں۔

☆ بتائیں وہ کون سا ملک ہے؟ جہاں پورے ملک کے بجٹ کا ۷۰ فیصد ایک صوبے کے ایک شہر پر لگایا جاتا ہو، خواتین کی خصوصی نشستوں میں سے ۶۰ فیصد ایک ہی شہر کی خواتین کو دے دی جائیں، بیس سال ایک صوبے پر حکومت کرتے ہو جائے اور پھر بھی اسی صوبے میں ایک ہی بارش سے نظامِ زندگی معطل ہو کر رہ جائے، اور پھر بھی اُسے ترقی کہا جائے۔

☆ بتائیں وہ کون سا ملک ہے؟ جس کے حکمران جیسے ہی حکومت میں آتے ہیں، اُس ملک کے اَثاثے کم اور حکمران ٹولے کے اَثاثے بڑھنے لگ جائیں۔

☆ بتائیں وہ کون سا ملک ہے جس میں بیرونی دوروں پر چھبیس اَرب روپے خرچ کر دیئے جائیں۔

☆ بتائیں وہ کون سا ملک ہے جس کا حکمران جب باہر دورے پر جاتا ہے تو اپنے قریبی عزیزوں کو ضرور لے جاتا ہے۔

☆ بتائیں وہ کون سا ملک ہے؟ جہاں عوام کے ٹیکس کی رقم سے دس اَرب روپے کے ایڈز دیئے جاتے ہیں، پھر بھی وہاں کے حکمران کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی کرپشن نہیں کی۔

☆ بتائیں وہ کون سا ملک ہے؟ جہاں اگر صدر کا ہیلی کاپٹر لینڈ کرنا ہو تو کسان کے گندم کے کھیت جلا دیئے جاتے ہیں۔

☆ بتائیں وہ کون سا ملک ہے؟ جہاں وزیراعظم ہاؤس کے ایک دن کا خرچ چونتیس لاکھ روپے ہو۔

☆ بتائیں وہ کون سا ملک ہے؟ جہاں سیکیورٹی کے نام پر ۲۵ لاکھ کے کتے خرید لیئے جائیں اور پھر اُسے سادگی کہا جائے۔

☆ بتائیں وہ کون سا ملک ہے جہاں عوام دیکھ رہے ہوں کہ ایک باپ نے اپنی جگہ لینے کو اپنی بیٹی، ایک باپ نے اپنا بیٹا، تیار کر رکھا ہو کہ ہمارے بعد یہ ہماری پارٹیوں کے سربراہ ہونگے اور پھر بھی عوام نسل در نسل اس غلامی کو بخوشی تیار ہوں۔

--*